مسئلہ حاضر و ناظر



ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی

صراط مستقیم پبلیکیشنز
6-5 مرکز الاویس دربار مارکیٹ لاہور
042-7115771 - 0321-9407699

مسئلہ حاضر و ناظر

ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی

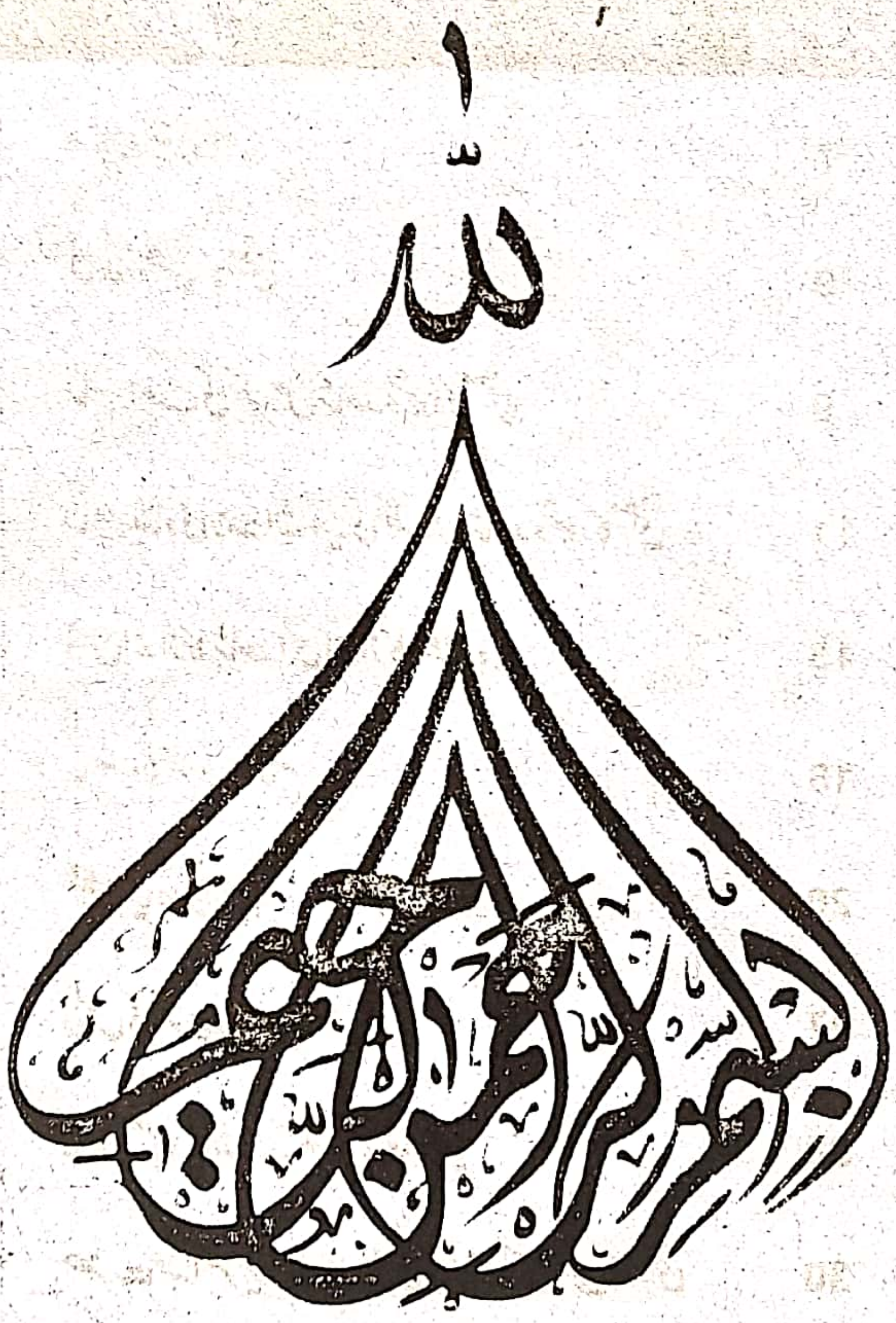
صراطِ مستقیم پبلیکیشنز
6-5 مرکز الاولیس داتا دربار مارکیٹ شیخ ہندی سٹریٹ لاہور
042-7115771, 0321-9407699

نام کتاب	مسئلہ حاضر و ناظر
افادات	ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی مدظلہ العالی
مرتب:	مولانا محمد عبدالکریم جلالی فاضل جامعہ جلالیہ رضویہ مظہر الاسلام داروغہ والا لاہور
باہتمام	شیخ محمد سرور اویسی، محمد آصف علی جلالی
پہلا ایڈیشن	یکم ستمبر 2009ء
تعداد	1100
صفحات	64
ہدیہ	40 روپے

ملنے کے پتے

مکتبہ قادریہ رضویہ لاهور / مسلم کتابوی لاهور
مکتبہ اعلیٰ حضرت لاهور / جامعہ جلالیہ رضویہ لاهور
کرمانوالہ بک شاپ لاهور / مکتبہ فیضان مدینہ گھکڑ
مکتبہ فکر اسلامی کھاریاں / رضا بک شاپ گجرات
مکتبہ مهریہ رضویہ کالج روڈ ڈسکہ / مکتبہ قادریہ لاهور
جامعہ محمدیہ رضویہ بھکھی شریف۔ منڈی بہاوالدین
مکتبہ رضائے مصطفیٰ چوک دارالسلام سرکلر روڈ گوجرانوالہ
اویسی بُک سٹال پیپلز کالونی گوجرانوالہ 0333-8173630

صراط مستقیم پبلی کیشنز، دربار مارکیٹ لاہور 0321-9407699


الله
بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر

☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ واعظم شانہ کی حمد وثنا اور حضور پر نور شافع یوم النشور، دستگیر جہاں، غمگسار زماں، سید سروراں حامی بیکساں احمد مجتبیٰ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گوہر بار میں ہدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد وارثان منبر ومحراب ارباب فکر و دانش نہایت ہی معزز ومحتشم حضرات وخواتین اللہ تعالیٰ کے فضل اور توفیق سے ہم سب کو ادارہ صراط مستقیم کے فہم دین کورس کے پچیسویں (25) سبق میں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

آج کی ہماری گفتگو کا موضوع ہے

''مسئلہ حاضر وناظر''

میری دعا ہے کہ خالق کائنات جل جلالہ ہم سب کو قرآن وسنت کا فہم عطا فرمائے اور قرآن وسنت کے ابلاغ وتبلیغ اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ ہمارے آقا ومولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضہ پاک میں حیات حسّی وجسمانی کے ساتھ زندہ ہیں اور پوری کائنات آپکے سامنے موجود ہے اور کائنات کے ذرے ذرے پر نگاہ کرنے کی سعادت اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔ جہاں کہیں اللہ کے اذن سے اور اُسکی عطا سے ظہور پذیر ہونا چاہیں تو اس لحاظ سے بھی اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا مظہر بن سکتے ہیں۔

میں نے قرآن مجید کی جو آیت کریمہ تلاوت کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا

(سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۴۵)

O Prophet! the cmmunicater of unseen news, no doubt, we have sent you ou a present beholder and bearer of glod tiding and a warner.

اے غیب کی خبریں دینے والے نبی،

یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا

ہم نے آپ کو شاہد بنایا ہے۔

وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا

اور ہم نے تجھ کو بشارت سنانے والا اور ڈرانے والا بنایا ہے۔

اس آیت کریمہ کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی کہہ کر خود خطاب کیا ہے اور بعد میں آپ کے جن اوصاف کو بیان کیا ہے اُن میں سے پہلا وصف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو "شاھد" بنایا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کا لقب بھی دیا۔ اور اس لقب کے ساتھ بھی آپ کا تذکرہ فرمایا۔

یَوْمَ نَبْعَثُ فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِیْدًا عَلَیْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَ جِئْنَا بِكَ عَلٰی هٰۤؤُلَآءِ شَهِیْدًا (سورۃ النحل آیت نمبر ۸۹)

وہ دن کہ جس دن ہم ہر امت میں ایک گواہ اٹھائیں گے۔

عَلَيْهِمْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ

اُن پر انہیں میں سے ایک گواہ اٹھائیں گے۔

وَ جِئْنَابِكَ شَهِيدًا عَلَى هٰؤُلَاءِ

اور آپ کو ان سب کے اوپر ہم گواہ بنائیں گے۔

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَّ جِئْنَابِكَ عَلَى هٰؤُلَاءِ شَهِيدًا

(سورۃ النسآء کی آیت نمبر ۴۱)

وہ کیسی صورتحال ہوگی جس وقت ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور اے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام ہم آپ کو سب پر گواہ بنائیں گے۔

شاھد و شہید کا معنیٰ

ان آیات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شاھد بھی کہا گیا اور شہید بھی کہا گیا۔

شاھد اور شھید دونوں کا مادہ اشتقاق ش، ھ اور دال ہے۔

عربی میں جہاں بھی یہ مادہ استعمال ہوتا ہے۔ تو حقیقت کے لحاظ سے اُس میں سے دو چیزوں کا معنیٰ ضرور ہوتا ہے۔

1۔ایک تو اس میں حضور یعنی حاضر ہونا ہے۔(2) دوسرا آپس میں مشاہدہ ہوتا ہے۔ جو صفات کے صیغے اس مادے سے مشتق کیے جاتے ہیں ان میں حاضر ہونا اور دیکھنا یہ دونوں باتیں پائی جاتیں ہیں۔

امام راغب کی نظر میں شاھد و شھود کا معنیٰ

امام راغب اصفہانی مفردات قرآن کے اندر ارشاد فرماتے ہیں۔

اَلشُّهُوْدُ وَ الشَّهَادَةُ اَلْحَضُوْرُ مَعَ الْمُشَاهَدَةِ اِمَّا بِالْبَصَرِ اَوْ بِالْبَصِيْرَةِ

شھود کا لفظ ہو یا شھادۃ کا لفظ ہو، اس کا معنی یہ ہوگا۔

اَلْحَضُوْرُ مَعَ الْمُشَاهَدَةِ

وہاں پر حضور بھی ہو اور مشاہدہ بھی ہو۔

لفظ شاھد اور شھید دونوں جس وقت شہادت سے بنے ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ جو شاھد ہیں اور شھید ہیں۔ حقیقی معنی کے لحاظ سے وہاں پر حضور بھی پایا جائے گا۔ اور مشاہدہ بھی پایا جائے گا۔

جس بات کے وہ شاھد ہیں یا جس بات کے وہ شھید ہیں۔ اُس واقعہ کے پاس وہ حاضر بھی ہونگے اور اس کا وہ مشاہدہ بھی فرمائیں گے۔

پھر وہ مشاہدہ کی دو اقسام بیان کر دیں۔

اِمَّا بِالْبَصَرِ اَوْ بِالْبَصِيْرَةِ

مشاہدہ یا تو آنکھ کے لحاظ سے ہوگا یا دل کے لحاظ سے ہوگا۔

بہر حال مشاہدہ کا پایا جانا ضروری ہے۔

اس مجموعی معنی کو اگر ایک لفظ سے بیان کریں تو اس کو گواہ کہا جاتا ہے اور اگر اس کو تفصیلی حیثیت میں بیان کریں تو اس کو حاضر و ناظر کہا جاتا ہے۔

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا

اے غیب کی خبریں دینے والے ہم نے آپ کو حاضر و ناضر بنا کر بھیجا ہے اور ہم نے آپ کو گواہ بنایا ہے۔

لوگوں کی گواہی کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ جس کے گواہ ہیں اس کے بارے میں

وہاں موقع پر موجود بھی ہوں اور اس کا مشاہدہ بھی کریں۔

اگر ایک شخص کسی واقعہ کا گواہ بنتا ہے لیکن وہ وہاں پر موجود نہیں تھا۔ تو اس کو گواہ نہیں کہا جائے گا۔ اگر موجود تھا لیکن درمیان میں دیوار تھی۔ دیوار کے پیچھے کوئی واقعہ ہو گیا ہے تو پھر بھی وہ گواہی نہیں دے سکے گا۔ اس لئے کہ وہ اگر چہ قریب موجود ہے لیکن وہ اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ نہیں رہا تو اُس کو مشاہدہ حاصل نہیں ہے۔

اس واسطے اس کو گواہ نہیں بنایا جائے گا۔

بالکل ایک لمحہ پہلے دیوار کے پیچھے آپ دیکھ کے آئے تھے کہ زید کھڑا ہے اور ادھر آنے کے بعد اسی کی آواز آ رہی تھی اور کوئی وقوعہ ہو گیا ہے تو شریعت میں آپ کی گواہی اس وقوعہ کے بارے میں معتبر نہیں ہے۔ اس واسطے کہ آواز آواز سے مل جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے واقعہ کسی اور کا ہو اور تم آواز زید کی سمجھتے رہو۔ چونکہ وہاں پر مشاہدہ نہیں ہوگا اس واسطے گواہی غیر معتبر ہو جائے گی۔

لہٰذا قابل قدر اور معتبر گواہ کیلئے ضروری ہے کہ وہ جس کا گواہ ہے اُس کے بارے میں موقع پر موجود بھی ہو اور مشاہدہ بھی وہاں پر موجود ہو۔

امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں شاھد وشھود کا معنیٰ

امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے

"وَادْعُوْا شُهَدَآءَ كُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" اس آیت کی تشریح میں لفظ شھید اور شاھد کے معنیٰ پر بحث کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

اَلشُّهَدَآءُ جَمْعُ شَهِيْدٍ

آیت میں جو لفظ شھداء آیا ہے۔ یہ شہید کی جمع ہے۔

بِمَعْنَى الْحَاضِرِ اَوِ الْقَائِمِ بِالشَّهَادَةِ اَوِ النَّاصِرِ اَوِالْاِمَامِ

شاھد کے چار معنیٰ ہیں۔

1۔ شہید کا پہلا معنیٰ ''الحاضر'' ہے۔

2۔ شہید کا دوسرا معنیٰ ''قائم بالشھادۃ'' ہے۔ شھادت قائم کرنے والا

3۔ شہید کا تیسرا معنیٰ ''الناصر'' ہے۔ یعنی مددگار

4۔ شہید کا چوتھا معنیٰ ''الامام'' ہے۔

لفظ شھداء کے یہ چار معنی بیان کرنے کے بعد امام بیضاوی اس کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہیں۔ ان چاروں میں وہ معنی کس طرح پایا جائے گا جو اصل ش، ہ، دال کے جمع ہونے کے وقت ہوتا ہے۔

كَاَنَّهٗ سُمِّيَ بِهٖ لِاَنَّهٗ يَحْضُرُ النَّوَادِيَ وَيُبْرَمُ بِمَحْضَرِهِ الْاُمُوْرُ

ان کو شہید کس واسطے کہا جاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ان کے سامنے محافل میں فیصلے ہوتے ہیں امام کے بیٹھے ہوئے سامنے فیصلہ ہوتا ہے۔ اور تمام لوگ خواہ وہ ناصر ہے یا امام ہے۔

وہاں جس کے بارے میں وہ ناصر ہے اور جس چیز کے لحاظ سے ان کے سامنے فیصلہ کیا جارہا ہے۔ تو وہاں حضور بھی پایا جاتا ہے۔ اور اگر کسی کے سامنے فیصلے کیلئے کسی کو پیش کیا گیا ہے تو اس میں بھی حضور پایا جائے گا اور مشاہدہ بھی پایا جائے گا۔ تو چونکہ امام و ناصر کے لحاظ سے محافل کے اندر لوگ اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں اور اپنے فیصلے کروانے کیلئے اپنے آپ کو حاضر کر دیتے ہیں۔ اُن کے سامنے جب کسی کا حضور ہوتا ہے تو خود ان کا بھی حضور ہوتا ہے، وہ بھی موجود ہوتے ہیں اور ساتھ مشاہدہ بھی ہوتا

ہے۔اس واسطے امام بیضاوی کہنے لگے۔

قائم بالشھادہ کو بھی شہید کہتے ہیں۔

حاضر کو بھی شہید کہتے ہیں۔

امام کو بھی شہید کہتے ہیں۔

اور ناصر کو بھی شہید کہتے ہیں۔

اسکے ساتھ ہی فرمانے لگے۔

اِذِ التَّرْكِيْبُ لِلْحَضُوْرِ

اس واسطے کہ یہ حروف (ش،ھ،د) جہاں آجائیں تو معنیٰ حضور والا ہوگا۔
اس پوری ترکیب میں حضور والا معنیٰ ہوتا ہے۔لہٰذا ایسا نہیں ہو سکے گا کہ شاھد یا شہید ہو مگر حضور والا معنیٰ نہ ہو۔جس کو بھی شاہد کہیں گے یا شہید کہیں گے۔عربی لغت کے لحاظ سے اُس میں حضور والا معنیٰ ضرور موجود ہوگا۔

اِمَّا بِالذَّاتِ اَوْ بِالتَّصَوُّرِ

یا تو بالذات حضور ہوگا۔اگر بالذات ممکن نہ ہو سکا تو پھر بالتصور حضور ہوگا۔
جس طرح شھادۃ علی الشھادۃ کی صورتحال کے اندر حضور علمی طور پر پایا جاتا ہے۔اب اسکو مزید وضاحت سے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اللہ کی راہ میں مقتول کو شہید کہتے ہیں۔

وَ مِنْهُ قِيْلَ لِلْمَقْتُوْلِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ شَهِيْدٌ

یہی سبب ہے کہ جو اللہ کے راستے میں مقتول ہو اس کو شہید کہا جاتا ہے۔
حالانکہ قرآن مجید میں اُسے مقتول کہا گیا۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ (سورۃ البقرۃ:۱۵۴)

قرآن نے لفظ مقتول بولا، لیکن ہم اسے کیا کہتے ہیں، کہ وہ شہید ہے۔ اس کو شہید کیوں کہتے ہیں اس کا سبب کیا ہے؟

امام بیضاوی علیہ الرحمۃ علیہ کہتے ہیں۔ اسکی دو وجہ ہیں۔

پہلی وجہ

جو اللہ کے راستے میں قتل ہوا اس کو شہید اس لئے کہا جاتا ہے کہ:

لِاَنَّهٗ حَضَرَ مَاكَانَ يَرْجُوْهُ

اُسے جس چیز کی تڑپ تھی اور امید تھی وہ اس کے پاس حاضر ہو گیا ہے۔

اُسے رب کے جلووں کی تڑپ تھی۔ وہ اللہ کے جلووں کے پاس حاضر ہو گیا۔ اس کو ثواب کی طلب تھی اور تڑپ تھی وہ ثواب کے پاس حاضر ہو گیا۔ اُس کو جنت سامنے نظر آنے لگی۔ یعنی جو کچھ اُس کا مقصود تھا وہ اُس کے پاس حاضر ہو گیا ہے۔ اس واسطے اب اُس کو مقتول نہیں کہا جاتا۔ بلکہ اُس کو شہید کہا جاتا ہے۔

لہٰذا حضور والا معنیٰ اس میں پایا گیا۔

دوسری وجہ

یا اس کو لئے شہید کہا جاتا ہے کہ

اَوِ الْمَلَائِكَةُ حَضَرُوْهُ (تفسیر بیضاوی:۴۵)

اس کے پاس فرشتے حاضر ہو گئے ہیں۔ اس کی زیارت اور اسکی ملاقات کیلئے، اس پر گواہی دینے کیلئے کہ اس نے اپنی جان اللہ کے دربار میں پیش کر دی ہے۔ فرشتے اس کو دیکھنے آئے ہیں۔ چونکہ فرشتے اس کے پاس حاضر ہو گئے ہیں اور مشاہدہ کر رہے

ہیں اس وجہ سے حاضر بمعنی محضور بھی ہوتا ہے کہ جس کے پاس کوئی حاضر ہو گیا ہو اُس کو بھی حاضر کہا جاتا ہے۔ اس بنیاد پر مقتول فی سبیل اللہ کو شہید کہا جاتا ہے کہ اس کے پاس فرشتے حاضر ہو چکے ہیں۔

امام بیضاوی علیہ الرحمۃ کی اس وضاحت سے پتہ چلا کہ حاضر کا جو مطلب ہے اور شہید کا جو مطلب ہے اس کے لحاظ سے جہاں بھی لفظ شہید کا استعمال ہوگا وہاں ترکیب دلالت کرے گی کہ وہاں پر حضور بھی ہے اور مشاہدہ بھی ہے۔ جو اللہ کے راستے میں مقتول ہوا اُس کو شہید کہا جاتا ہے۔ اُس کے دو سبب ہیں یا تو یہ حاضر ہے اُس کے پاس جو اسے چاہیے تھا۔ یا اس کے پاس فرشتے حاضر ہو چکے ہوتے ہیں۔ یہ اسباب ہیں کہ جن کی وجہ سے مقتول فی سبیل اللہ کو شہید کہا جاتا ہے۔

جس انداز کا شاھد اسی انداز کا مشاہدہ

حاضر و ناظر کا لفظ جس وقت ہم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بولتے ہیں تو آپ پر اس لفظ کا اطلاق ہم اپنی طرف سے نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان شاھد اور شہید کے لحاظ سے کرتے ہیں۔

کیونکہ جہاں شاھد و شہید ہوگا وہاں پر حضور بھی ہوگا اور مشاہدہ بھی ہوگا۔

جس انداز کا وہ شاہد یا شہید ہے۔ اُسی انداز کا مشاہدہ بھی ہوگا۔

مثلاً ایک شخص ایک گھر کے اندر واقعہ کا گواہ ہے تو اُس کا مطالعہ گھر تک ہوگا وہاں حضور ضروری ہے اور وہاں مشاہدہ ضروری ہے۔

ایک شخص محلے کے معاملے کا گواہ ہے تو وہاں اس کا حضور بھی ضروری ہے۔ وہاں مشاہدہ بھی ضروری ہے۔

ایک شخص شہر کے کسی معاملے کا گواہ ہے تو اُس کا وہاں حضور بھی ضروری ہے۔اور مشاہدہ بھی ضروری ہے۔

میرے محبوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف کائنات کے لئے مطلقاً شاہد بنا کے بھیجے گئے ہیں۔لہٰذا کائنات آپ علیہ السلام کے سامنے یوں ہے جیسے ہاتھ کی ہتھیلی پہ رائی کا دانہ ہوتا ہے۔آپ اُس کا مشاہدہ بھی فرما رہے ہیں اور اُس کے پاس موجود بھی ہیں۔

سوچنے کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ جب یہ فرماتا ہے کہ ہم نے تجھے شاھد بنایا۔تو اللہ ایک بڑے وصف کو اجاگر کرنا چاہتا ہے۔

عمومی لحاظ سے تو شاہد ہر بندہ ہے۔کوئی بندہ ایسا نہیں جو شاہد نہ ہو۔

ہر بندہ کسی نہ کسی بات کا شاہد ہے۔کتنا ہی گیا گذرا کیوں نہ ہو وہ جہاں بیٹھا ہے۔ساتھ بیٹھے ہوئے کا شاھد ہے۔جسے دیکھ رہا ہے اُس کا شاھد ہے۔گلی میں جا رہا ہے شاھد ہے۔کسی نہ کسی چیز کا مشاہدہ کر رہا ہے ہر وقت شاہد ہے۔

یہ کونسی شان تھی جس کو رب نے اجاگر کرنا تھا؟ ربّ ذوالجلال کا قرآن بول رہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس کو صدر مقام پر بطور وصف کے بیان کیا ہے تو اس شاہد کے معنیٰ کو محدود نہ سمجھو۔اُس شان کے مطابق سمجھو جس شان کے مطابق اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔

اگر چھوٹی چھوٹی باتوں کا معاملہ ہوتا تو شاید کوئی بڑی بات نہیں تھیں۔لیکن ربّ ذوالجلال نے ان کو ذرے ذرے کا گواہ بنایا ہے۔

لہٰذا یہ وصف بہت بڑی شان دے کے عطا فرمایا ہے۔

ہم نے آپ کو شاھد بنایا، شہید بنایا۔صرف اس امت کیلئے نہیں بلکہ پہلی امتوں

کے لئے بھی۔ جمیع امم کیلئے گواہ بنا دیا گیا۔ اور ان کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی پر قیامت کے دن ہونے والے ہیں۔ اس وقت میں اسکی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔ اس کا جس وقت ہم اطلاق کرتے ہیں تو پہلے معنی کے لحاظ سے جو امام بیضاوی نے بیان کیا ہے کہ حاضر وہ ہے جو کسی کے پاس خود حاضر ہو۔

حاضر وناظر

اب حاضر بمعنی موجود ہوگا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حاضر وناظر ہیں تو کائنات میں موجود ہیں اور اس کو دیکھ رہے ہیں۔ لوگ جو اس میں شق نکالنا چاہتے ہیں کہ حاضر تو چھوٹا بڑے کے دربار میں ہوتا ہے اور تم پیغمبر کو حاضر کہتے ہو۔ معاذ اللہ اس میں توہین ہے۔

ان لوگوں کو میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جس وقت اس کو فاعل کے معنی میں لیتے ہیں تو اس وقت ہی بمعنی موجود ہوگا۔ عربی زبان کا جو اصل اطلاق ہے اُس میں کسی طرح بھی یہ موجود نہیں ہے کہ جہاں حضور ہو وہاں یہ ضروری ہے کہ چھوٹا ہی بڑے کے پاس حاضر ہو۔ حاضر غائب کے مقابلے میں ہے۔ یعنی جو موجود نہیں وہ غائب ہے۔ اور جو موجود ہے وہ حاضر ہے۔ آگے اس کی شان دیکھیں گے۔ اگر چھوٹا ہے تو چھوٹے ہونے کے لحاظ سے ہوگا۔ اور اگر سب سے بڑا ہے تو محضور اُنؐ کے مرتبے کے مطابق ہوگا۔

لہٰذا یہ پہلا معنی حاضر کا فاعل کے لحاظ سے بمعنی "موجود" ہے۔

اگر دوسرا معنی لیں تو پھر حاضر بمعنی محضور ہوگا۔

جس طرح کہ وہ بندہ جو اللہ کے رستے میں شہید ہوا تھا۔ فرشتے اس کے پاس آئے مگر شہید اس کا نام پڑ گیا۔ آئے تو اس کو فرشتے دیکھنے کیلئے تھے۔ مگر شہید اسے کہا

گیا۔اس کو محضور کہا گیا۔ کہ اس کے پاس کوئی حاضر ہوا لیکن شہید اس کو کہا گیا۔ایسے ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے لحاظ سے جو حاضر کہتے ہیں تو معنی یہ ہوگا کہ آپ محضور ہیں۔آپ کی خدمت میں کائنات کا ذرہ ذرہ حاضری دینے والا ہے۔وہ حاضر ہیں اور آپ اس کے ناظر ہیں۔

آپ پر اس وصف کا اس طرح اطلاق کیا جارہا ہے کہ جیسے وہ مقتول فی سبیل اللہ ہے۔حضور تو فرشتوں کے لحاظ سے تھا مگر شہید اس کو کہا جاتا ہے۔ایسے ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر لفظ حاضر تو بولا جائے گا۔لیکن مطلب یہ ہوگا کہ محضور ہیں وہ جن کے پاس کوئی اپنے آپ کو حاضر خدمت کررہا ہے۔

حاضر وناظر کی اقسام

حاضر وناظر کا یہ مفہوم جو اپنے دامن میں بڑی وسعتوں کو سمیٹے ہوئے ہے اس کو ہم دو اقسام میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

پہلا معنی ،اللہ نے اپنا گواہ بنایا۔

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا ۔ (سورۃ الاحزاب ۴۵)

اے نبی ہم نے تجھے گواہ بنایا ہے،حاضر وناظر بنایا ہے۔

اللہ نے کس کا گواہ بنایا ہے۔یہ اللہ تعالیٰ نے ذکر نہیں کیا۔پھر یہ قانون ہے۔

اَلْمُطْلَقُ يَجْرِيْ عَلٰى اِطْلَاقِهٖ

جہاں مطلق لفظ ہو تو ہم اس کو مقید نہیں کر سکتے۔وہ علی الاطلاق ہوگا۔محبوب علیہ السلام ہم نے آپ کو مطلقاً گواہ بنایا،کس کس فرد کا گواہ بنایا،اس کو بیان نہیں کیا۔

''شاھدا'' ہم نے تجھے گواہ بنایا ہے۔

امام سُلمی کہتے ہیں۔ پہلا معنی یہ ہوگا۔

اللہ فرما رہا ہے:

شَاهِدًا لَّنَا (تفسیر سلمی: ۲/۱۴۹)

ہم نے تجھے اپنا گواہ بنایا ہے۔

ہم نے تجھے اپنے دربار کا حاضر و ناظر بنایا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اے محبوب لوگ تجھ سے میرے بارے میں پوچھیں گے اور دنیا کو یہ تڑپ ہے کہ پتہ چلے رب کیسا ہے۔ ربّ کی ذات کیسی ہے۔ ربّ کی صفات کیسی ہیں ربّ کا جمال کیسا ہے۔ ربّ کا اختیار کیسا اور اسکی قدرت کیسی ہے۔ ربّ کا علم کتنا ہے۔

اے میرے محبوب ہم نے تجھے اپنا گواہ بنایا ہے۔ یعنی جس نے میری رحمت دیکھنی ہو وہ تجھے دیکھے، جس نے میری قدرت دیکھنی ہو وہ تمہارے پاس جائے، جس نے میرا علم دیکھنا ہو وہ تم سے پوچھے، ہم نے تجھے اپنی ذات کا بھی گواہ بنایا ہے اور اپنی صفات کا بھی گواہ بنایا ہے۔

''شاھدا لنا'' ہم نے تجھے اپنا گواہ بنایا ہے۔ ہر بندہ چاہتا ہے کہ میں رب سے ملوں، ربّ کو دیکھوں، اُس کے پاس جاؤں۔ مگر کہاں سفر کرے، کس جانب جائے، کہاں بیٹھے اور کہاں جا کے ربّ کو ڈھونڈے۔ کسی ایک جہت میں رب کو کیسے تلاش کرے گا۔ اگر کوئی مغرب کی طرف جا رہا ہے تو کیا شمال کی طرف رب نہیں ہے۔ اگر کوئی اوپر کی طرف جا رہا ہے تو کیا اس زمین پر ربّ کائنات کے جلوے نہیں ہیں۔

بحر و بر میں خشک و تر میں ہیں تیرے جلوے عیاں
ہر جگہ رہتا ہے لیکن پھر بھی ہے تو لامکاں

ہر شخص خدا کو پانا چاہتا تھا، اُس کو ڈھونڈھنا چاہتا تھا۔ مگر مشکل بڑی تھی کہ کس طرف جائیں۔ پھر اگر جائیں تو دیکھیں کیسے؟ شکل ہو تو دیکھ سکیں۔

شکل کیا ہوتی ہے۔

شکل کی تعریف:

هُوَ الْهَيْأَةُ الْحَاصِلَةُ مِنْ اِحَاطَةِ الْحَدِّ الْوَاحِدِ اَوِ الْحَدَّيْنِ اَوْ اَكْثَرَ بِالْجِسْمِ التَّعْلِيْمِي۔ (دستور العلماء ۲/۲۲۱)

وہ ہیئت ہے جو شے کو ایک حد کے احاطہ کے سبب سے یا کئی حدود کے احاطہ کے سبب سے حاصل ہوتی ہے۔ جسم تعلیمی کیساتھ

جب خط بنیں تو شکل بنتی ہے اور جب خط مل جائیں تو شے لمیٹڈ ہوتی ہے۔ اور خدا لمیٹڈ اور محدود نہیں ہوتا۔ لہذا دیکھیں تو کیسے دیکھیں۔ پھر دیکھنے کیلئے رائی اور مرئی کا آمنے سامنے ہونا ضروری ہے۔ یہ ساری چیزیں لوگوں کے لئے الجھن تھیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے محبوب ہم نے تجھے سب سے بڑے مقصد کے لئے بھیجا ہے۔ جس نے میری گواہی لینی ہو۔ میں نے تجھے گواہ بنا دیا ہے۔ مجھے کوئی دیکھ نہیں سکتا تو نہ دیکھے اس لئے کہ اُس میں مجھے دیکھنے کی طاقت نہیں ہے۔ ہم نے تجھے اپنا گواہ بنایا ہے۔ لوگوں کا کام تمہارے پاس آنا ہے اور تمہارا کام انہیں میرے تک پہنچانا ہے۔

شاھد کا پہلا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے تجھے اپنا حاضر و ناظر بنایا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے دربار کے حاضر ہیں اور ساتھ ناظر بھی ہیں۔

''جنہیں دیکھ کر رب مسکرائے'' والے موضوع میں حضرت علی رضی اللہ عنہ والی

حدیث ہے کہ جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ ایک دن میں سرکار کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ اور محبوب علیہ السلام نے جس وقت دعا مانگی اور میری طرف دیکھ کے مسکرائے تو میں نے پوچھا باتیں رب سے کرتے ہو اور مسکراتے میری طرف دیکھ کر ہو تو آپ نے فرمایا۔

ضَحِكْتُ بِضِحْكِ رَبِّیْ (کنز العمال: حدیث نمبر:۳۹۶۴)

میں اس لئے ہنسا ہوں کہ میرا رب مسکرایا ہے۔

لہٰذا آپ فرش پہ چلتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ کے جلووں سے محظوظ ہونے والے ہیں اور ناظر ہیں۔

اس واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ہم نے تجھے اپنا گواہ بنایا ہے۔ جس نے بھی یہ دیکھنا ہو کہ میری رحمت کتنی ہے، میرا فضل کتنا ہے۔ جس نے یہ دیکھنا ہو کہ میری طرف سے انعامات کتنے ہیں جس نے یہ دیکھنا ہو کہ میرے اختیارات کتنے ہیں، میری قدرت کتنی ہے، میری قوت کتنی ہے۔ محبوب وہ تمہارے پاس آئے جب وہ تمہای رحمت دیکھے گا اُسے میری رحمت کا نظارہ ملے گا۔ جو تمہارا علم دیکھے گا اُسے میرے علم کی طرف اشارہ ملے گا۔ جس وقت وہ تمہارے پاس بیٹھ کر تمہارا جمال دیکھے گا۔

اَنَا مِرْاٰۃُ جَمَالِ الْحَقِّ

تمہارے چمکتے چہرے سے اُس کو میرا جلوہ نظر آئے گا تو یہ سب سے بڑے گواہ کا کردار پورا ہو جائے گا۔

لہٰذا یہ پہلا معنی ہے کہ ہم نے آپ کو گواہ بنایا ہے۔

اگر کوئی شخص اس کو پوری طرح سمجھ لے تو اُس کی ہمارے ساتھ کوئی الجھن نہیں

رہے گی۔ راہ حق سے اُس کو کسی طرح کی کوئی ناراضگی نہیں رہے گی۔

اس واسطے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی ذات کے گواہ ہیں تو مطلب یہ ہوا۔ ربّ ذوالجلال نے ساری کائنات کو آپ کا دروازہ دکھایا کہ ان کے بغیر تم مجھے نہیں پا سکو گے۔ ان کے پاس جاؤ تو پھر تم میرے پاس آؤ گے۔

اس سے پتہ چلا کہ اس دربار میں جانا غیر کی طرف جانا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے دِکھایا ہی یہ دربار ہے کہ ادھر جاؤ یہ تمہارے لئے گواہ ہیں، یہ برھان ہیں، یہ دلیل ہیں اور یہ میرا پتہ ہے۔

لہٰذا اب ادھر متوجہ ہونا اللہ کے حکم کے مطابق ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ ماننا توسّل نہیں تو اور کیا ہے۔ گواہ کیا کرے گا۔ تمہیں پہنچائے گا۔ اپنا کردار ادا کرے گا۔ خالق و مخلوق کے درمیان اسی کردار کو مخلوق کے لحاظ سے وسیلہ اور توسل کہا جاتا ہے۔ ربّ ذوالجلال نے ساری انسانیت کے لئے اپنے محبوب کو گواہ بنایا ہے کہ تم اُن کو میرا پتہ دو، جو نہیں پہنچ سکتے، اُن کو تم میرے تک پہنچاؤ، تو جو میرے تک یہ کردار ادا کرے اُسے ہی وسیلہ کہا جاتا ہے۔

یہاں سے یہ بھی پتہ چلا کہ محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم کتنا ہے۔ اُس کو ترازو پہ تو لا نہیں جا سکتا۔ اس واسطے کہ

جو شہر کا گواہ ہو اُسے شہر کا مطالعہ ہوتا ہے۔ جو محلے کا گواہ ہو اُسے محلے کا پتہ ہے اور جو عرش معلیٰ کا گواہ ہو اُسے عرش معلیٰ کا پتہ ہے۔ اس واسطے فرمایا۔

شَاهِدًا اَلْنَا

ہم نے تجھے اپنا گواہ بنایا ہے۔ جس کی نگاہ عرش تک پھیلی ہوئی ہو اس سے فرش

کی چیزیں کیسے چھپ سکیں گی۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں۔

وَاَعْلَمُکُمْ بِاللّٰہِ اَنَا (بخاری شریف: ۷)

جتنا مجھے رب کا پتہ ہے اتنا کسی کو نہیں ہے۔ میں تم سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والا ہوں۔

یہ تو ہونا چاہیے تھا کیونکہ جس چیز کے بارے میں گواہی دینی ہے گواہ کو اسکا پتہ ہی نہ ہو تو پھر معاذ اللہ گواہی کا حق پورا نہیں ہو سکے گا۔ گواہی کا پورا فائدہ نہیں ہو سکے گا۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور صفات اور اپنی قدرت کے مناظر اپنے محبوب کو دکھائے ہیں تا کہ کوئی ایسا نہ رہے جو قیامت کے دن یہ بہانہ کرے یا اللہ تیرے گواہ کے پاس گیا تو تھا مگر اُس نے مجھے تیرا پورا تعارف نہیں کروایا۔ رب ذوالجلال نے گواہ کو سب کچھ دکھا دیا تا کہ جو بھی آئے گواہ اُس کی طبیعت کو مطمئن کرتا جائے۔

جسکو خالق کی ذات کا سب سے زیادہ پتہ ہو اور مخلوق اُس سے چھپی ہوئی ہو تو یہ خالق کے علم کی توہین ہے۔ مخلوق کا علم تو خالق کے علم کی تمہید میں آجاتا ہے۔ لہٰذا جس وقت وہ علم تمہید میں آچکا ہے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ سب کے آپ گواہ ہیں۔

اگر کوئی بدعت طبع حاضر و ناضر نہیں بھی بولتا، گواہ ہی بولے پھر بھی بھاگ نہیں سکے گا، پھر بھی ہمارے دائرہ علم کے اندر اُس کو جکڑ دیا جائے گا۔ کہ جب محبوب علیہ السلام کو ربّ ذوالجلال نے گواہ بنایا ہے تو کسی ایسے کو گواہ نہیں بنایا جاتا جو لوگوں کو متوجہ نہ کر سکے اور قائل نہ کر سکے۔ خالق کائنات کا آپ کو گواہ بنانا اس بات کا اعلان تھا کہ لوگو! ہم نے ان کو ہر عیب سے پاک پیدا فرمایا ہے۔

جتنا بڑا دعوی ہو اتنی بڑی دلیل ہوتی ہے۔ ربّ ذوالجلال کی توحید سے بڑا کوئی

دعویٰ نہیں اور ماہ مدینہ سے بڑا کوئی گواہ نہیں۔ لہٰذا آپ کی ذات کو ہر عیب سے پاک ماننا یہ توحید کیلئے ضروری ہے۔ اللہ کی توحید کے اثبات اور پوری طرح یقین سے اُس کو ثابت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ جو توحید کے گواہ ہیں اُن میں کوئی عیب نہ ہو، کوئی کمی نہ ہو، کوئی نقصان نہ ہو۔

لہٰذا یہ ایک آیت اور اس ایک آیت کا ایک لفظ میرے اس ناقص مطالعہ کے مطابق میں شرح صدر سے اعلان کرتا ہوں جس کو جس مسئلے کا ہمارے ساتھ فکری محاذ پر شک ہو تو ہم انشاء اللہ اس ایک لفظ سے ہر مسئلے کا حل اُس کے سامنے پیش کر دیں گے۔

خواہ وہ توسل ہو، خواہ وہ علم غیب ہو، خواہ وہ شفاعت کا عقیدہ ہو، خواہ وہ مشکل کشائی ہو، خواہ وہ حاجت روائی ہو اور خواہ وہ نورانیت ہو، یہ ساری باتیں اسی ایک لفظ سے ملیں گی۔

ارے! شاہد وہ کیسے بن سکے گا جس کو اللہ کے دربار میں جاتے ہوئے نور کے جلووں سے جل جانے کا خطرہ ہو۔ وہ شاہد نہیں بن سکے گا اور جو ربّ ذوالجلال کے دربار میں بغیر خوف کے چلا جائے اور جلے نہ، صحیح سلامت واپس آئے تو ماننا پڑے گا یہ وہ نور ہے جو اللہ نے سارے انوار سے کامل پیدا فرمایا ہے۔ ورنہ جبریل علیہ السلام جاتے ہوئے گھبرا رہے تھے۔

اگر میں سدرہ سے ایک پورا بھی آگے گیا تو میں جل کے راکھ ہو جاؤں گا۔

مگر سرکار گھبرائے نہیں آگے گئے ہیں اور عرش تک پہنچے ہیں، یہ آپ کے وجود کا تقاضا تھا کہ جسے گواہ بنانا ہے اگر وہ ہی جل کے راکھ ہو جائے تو لوگوں کو گواہی کون دے گا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اُس نور سے پیدا کیا کہ جبرئیل کو تو خود جلنے کا خطرہ ہے لیکن

اس نور کے سر پر کپڑے کا عمامہ بھی سلامت تھا۔

یہ بات بڑی تفصیل طلب ہے لیکن وقت میں اتنی گنجائش نہیں ہے۔

شاھد کا پہلا معنیٰ یہ ہے کہ "شَاهِدًا لَّنَا" ہم نے تجھے اپنا گواہ بنایا ہے۔

امام سلمی نے اپنی تفسیر سلمی کی جلد نمبر 2 اور صفحہ نمبر ۱۴۹ پر ابن عطا کے قول کے ساتھ یہ تشریح کی ہے۔امام سلمی کہتے ہیں۔

شَرَّفْنَاكَ بِرِسَالَتِنَا

محبوب ہم نے تجھے اپنی رسالت سے مشرف کیا۔

وَ تُخْبِرُ عَنَّا خَبَرَ صِدْقٍ

اور تم بندوں کو ہمارے بارے میں جو بتاتے ہو سچ بتاتے ہو۔

چونکہ تم گواہ ہو اس لیے ہمارے بارے میں جو آپ کا تعارف ہے، وہ حتمی تعارف ہے۔

فَيَهْدِيْ بِكَ قُلُوْبًا عُمْيًا

اور اللہ تعالیٰ تمہارے صدقے اندھے دلوں کو ہدایت دیتا ہے۔

چونکہ تم گواہ ہو اس لیے تمہاری وجہ سے جن جن لوگوں کو گواہی طلب ہوگی تو اُن کو ہدایت ملے گی۔

يَشْهَدُوْنَكَ وَ يَشْهَدُ وَنَنَا فِيْكَ

اور لوگ مجھے نہیں دیکھ پاتے، دیکھتے تجھے ہیں لیکن تجھ میں مجھے دیکھتے ہیں۔

یعنی میرے جلووں کو دیکھتے ہیں۔اللہ نے کسی میں سرایت نہیں کیا، کسی میں حلول نہیں کیا۔اللہ تبارک و تعالیٰ اللہ ہے۔ہمارا حلولیوں والا عقیدہ نہیں ہے۔

لیکن میں اس بات کو بیان کر رہا ہوں جو سرکار نے فرمایا ہے۔

اَنَا مِرْاٰۃُ جَمَالِ الْحَقِّ

میں اللہ کے حسن کا آئینہ ہوں۔

مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ

جس نے مجھے دیکھا اُس نے میرے رب کے جلووں کو دیکھا۔

یَشْھَدُوْنَکَ

لوگ مشاہدہ تمہارا کرتے ہیں۔

وَ یَشْھَدُوْنَنَا فِیْکَ

اور تمہارے اندر ہمارے جلووں کا نظارہ کرتے ہیں۔

یہ گواہ کا کام ہے کہ لوگ اُس تک پہنچیں اور وہ آگے پہنچائے۔

وَلَا یَشْھَدُکَ اِلَّا مَنْ اَثَّرَ فِیْہِ بَرْکَۃُ نَظْرِکَ

یہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں کہ وہ تجھے آ کے دیکھے، اور پھر دیکھ سکے۔

دیکھنے لگے تو تجھے دیکھ لے؟ ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"تَرَاھُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْکَ وَھُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ"۔ (سورۃ الاعراف:۱۹۸)

کچھ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے دیکھتے ہیں، مگر تجھے تک نہیں سکتے۔

آخر اللہ تعالیٰ کے محبوب ہوں اور جو بھی آئے آ کے دیکھ لے یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

ہاں دکھانے کیلئے یہ شرط قرار دے دی گئی۔ ٹھیک کافر ہو دیکھے سہی مگر دل میں بغض نہ ہو، حسد نہ ہو۔ اگر وہ دیکھے گا تو اُسے سرکار نظر آئیں گے اور پھر واپس نہیں جا سکے گا۔ کون دیکھے گا؟ فرمایا۔

وہی دیکھے گا جس میں تمہاری نظر اثر کرے گی۔

جس کو تم اپنی نظر سے نواز دو گے۔اُسے تم نظر آجاؤ گے اس انداز میں فرمایا۔

فَيَشْهَدُ كَ

وہ آپ کو دیکھے گا۔

ویشهد نامنك

اور پھر آپ سے ہمیں دیکھے گا۔

یہ گواہ کا کام ہے۔اب تم یہ دیکھو کہ آپ دلیل ہیں۔تو دلیل کیا ہے۔

دلیل کی تعریف:۔

كَوْنُ الشَّئْ بِحَيْثُ يَلْزَمُ مِنَ الْعِلْمِ بِهٖ الْعِلْمُ بِشَیءٍ آخَرَ

شی کا اس طرح ہونا کہ اس شی کے علم سے دوسری شی کا علم آجائے،اُس کو دلیل کہتے ہیں۔

وہ کسی کی دلیل ہو یا عنوان ہو یا وہ کسی کا ایڈریس ہو،اُس کا کام یہ ہوتا ہے کہ جسکی وہ دلیل ہے،جسکا وہ عنوان ہے اور جس کا وہ پتہ ہے وہ لوگوں کو وہاں تک پہنچائے باقی عام چیزوں کی دلیلیں ہیں اور سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم رب کائنات کی دلیل ہیں۔ لہٰذا جو بھی آتا ہے آپ اُسکی ربّ ذوالجلال کی طرف راہنمائی فرمانے والے ہیں۔وہ رہنمائی کیسی فرماتے ہیں۔

اگر حضرت عبداللہ بن سلام دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں۔

لَمَّا تَبَيَّنْتُ وَجْهَهٗ عَرَفْتُ اَنَّ وَجْهَهٗ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّاب

(مشکوٰۃ المصابیح ص:۱۲۸،بحوالہ ترمذی وابن ماجہ)

جس وقت میں نے آپ کا چہرہ دیکھا تو مجھے معرفت آ گئی کہ ایسا چہرہ کسی جھوٹے کا نہیں ہوسکتا۔

نبی علیہ السلام جب ہجرت کر کے مدینہ شریف پہنچے تو عبداللہ بن سلام جو کہ یہودی تھے کہتے ہیں کہ میں صرف آپ کو دیکھنے کیلئے آیا تھا لیکن جب میں نے اللہ کے گواہ کا چہرہ دیکھا تو مجھے پتہ چلا کہ اتنا نورانی چہرہ کسی جھوٹے کا نہیں ہوسکتا۔ یہ نور انکے سچے ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

اسی طرح حضرت ابورافع کا فرمان ہے۔

میں قریش کا سندیسہ لے کر آیا تھا، میرا مقصد واپس جانا تھا، لیکن:

لَمَّا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ اُلْقِيَ فِيْ قَلْبِيَ الْاِسْلَام

(ابوداؤد شریف: ۲/۲۳)

جب میں نے پہلی بار چہرہ پاک دیکھا تو میرے دل میں اسلام ڈال دیا گیا۔

یہ ابھی لفظ شاھد کے پہلے معنی کی تشریح ہمارے سامنے ہے۔ اب دیکھو اور سوچو کہ جس رب کے قرآن کے ایک لفظ میں اتنے جہان آباد ہوں اُس پورے قرآن کے مضامین کا عالم کیا ہوگا۔

دوسرا معنیٰ۔ اللہ نے مخلوق پر گواہ بنایا

دونوں معنی بیک وقت مراد ہونگے، ایسا نہیں کہ ایک معنی حقیقی ہو اور دوسرا مجازی ہو۔ کچھ لوگ ایک پر رک جاتے ہیں دوسرا مراد نہیں لیتے۔ یہ دونوں اطلاق کے لحاظ سے افراد ہیں۔ اور دونوں مراد ہونگے۔

دوسرا معنی یہ ہے کہ ہم نے تجھے مخلوق کا گواہ بنایا۔اس پر با قاعدہ آیت موجود ہے۔

وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (سورۃ البقرۃ:۱۴۳)

اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام تم پر گواہ ہو جائیں۔

اسکا دوسرا معنی بھی عظیم ہے۔

مطلب یہ بنے گا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخلوق پر گواہ بنا دیا گیا ہے۔

اب اس میں جو دینی پہلو ہے وہ پیش نظر ہے۔کوئی شخص کہے کہ مخلوق پر گواہ ہونا یہ کمال کیا ہے، یہ شان کیا ہے؟ انسان کسی شہر کو دیکھنے والا ہو، شہر کو جاننے والا ہو، اُس شہر کے کمروں کو جانتا ہو، کمرے کے اندر صندوق پڑا ہوا اُس کو جانتا ہو، صندوق میں بند چیز کو جانتا ہو، اس کا دین کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ اس کا دین کے ساتھ تعلق یہ ہے۔ جب کل ربّ ذوالجلال فیصلے فرمائے گا تو معاملات کے فیصلے گواہوں پر ہونگے۔ یہ معاملات دین کے لحاظ سے گواہی پر موقوف ہیں۔تو پتہ چلا! اس لحاظ سے کائنات کا مطالعہ اور مشاہدہ بھی دین کا حصہ ہے۔

لہٰذا سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب قیامت میں حضرت نوح علیہ السلام اللہ کے دربار میں پہنچیں گے اور یہ کہہ رہے ہونگے میں نے تو تبلیغ کی ہے لیکن امت کہے گی کہ یہ ہمارے پاس آئے ہی نہیں۔ یہ تو بولے ہی نہیں۔ وہ کہیں گے میں نے ساڑھے نوسو سال تبلیغ کی ہے لیکن امت نہیں مانے گی۔ اللہ فرمائے گا گواہ پیش کرو تو اُس وقت میری گواہی سے کام پورا ہو جائے گا۔

اس امت میں حضرت صدیق اکبر جیسے لوگ بھی ایسی گواہیاں دے جائیں گے۔ سرکار کی گواہی پر گواہی دے رہے ہونگے۔ اس واسطے ان معاملات کو جاننا۔ ان

کو کوئی خبر دینی نہ کہے یہ بھی ایک دین کا حصہ ہے اور محبوب علیہ السلام کو رب ذوالجلال نے شہادت کا یہ منصب بھی عطا فرمایا ہے۔

حضرت عبدالعزیز محدث دہلوی کے نزدیک شہید کا معنیٰ

یہاں بالخصوص اس آیت کی شرح میں حضرت عبدالعزیز محدث دہلوی کا تفسیر عزیزی میں جو قول ہے۔ وہ بطور خاص اس کی وضاحت کیلئے پیش کر دیتا ہوں۔

وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (سورۃ البقرۃ:۱۴۳)

اسکی تفسیر میں کہتے ہیں:

باشد رسول شما بر شما گواہ

ہونگے تمہارے رسول تم پر گواہ

زیرا کہ او مطلع است بہ نور نبوت بہ رتبہ ہر متدین بدین خود کہ در کدام درجہ از دین من رسیدہ

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تم پر گواہ بنایا یا کس چیز کا گواہ؟ شاہ عبدالعزیز کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر بندے کے ظاہر باطن کا علم عطا فرمایا ہے کہ اُس کے دل میں دین کس درجے کا ہے، اُس کا تقوی کس درجے کا ہے۔

اُس کی پرہیزگاری کس درجے کی ہے۔

کیا جبرئیل آئے تو آپ کو اس کا پتہ چلتا ہے۔ شاہ عبدالعزیز کہتے ہیں۔ نہیں۔

بہ نور نبوت

یہ نبوت کا فیض ہے۔ جس سے سرکار کو پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ لوگو!

ہم نے تم پر اپنے پیغمبر کو گواہ بنایا ہے اور وہ بتاتے ہیں کہ ہر بندے کی حقیقتِ ایمان کیا ہے، وہ کافر ہے یا مومن ہے۔ مومن ہے تو کتنا مومن ہے۔ ایمان اندر کی حقیقت ہے اور دین باہر کا رنگ ہے۔ وہ سجدے کرتا ہے تو کتنے کرتا ہے۔ اُس کے ہاتھ خیرات کرتے ہیں تو کتنی کرتے ہیں۔ شاہ عبدالعزیز کہہ رہے ہیں کہ

میرے محبوب علیہ السلام ربّ ذوالجلال کے دیئے ہوئے نور نبوت سے ہر بندے کا قیامت تک ظاہر بھی جاننے والے ہیں اور باطن بھی جاننے والے ہیں۔

پھر ہو سکتا تھا کوئی یہ کہتا کہ شاید چند شعبہ جات کا پتہ ہو اور چند شعبہ جات کا پتہ نہ ہو۔

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: نہیں۔

می شناسد گناهان شمارا و درجات ایمان شمارا واعمال نیك وبد شمارا

وہ تمہارے اعمال نیک و بد کو بھی جانتے ہیں، وہ تمہارے گناہوں کو بھی جانتے ہیں تمہاری نیکیوں کو بھی جانتے ہیں۔

کیا جو اُس وقت موجود تھے انہیں ہی جانتے ہیں، یا جو قیامت تک آنے والے تھے سب کو جانتے ہیں۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

حاضران آن زمانه خود مثل صحابه وازواج واهل بیت یا غائبان ازمان خود مثل اویس ومهدی (تفسیر عزیزی ٦٣٦)

محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں جو لوگ تھے جس طرح صحابہ کرام، ازواج مطہرات اور اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں اُن کو بھی جانتے ہیں اور جو قیامت تک آنے والے ہیں اُن کو بھی جانتے ہیں۔

اُن میں با قاعدہ نام لیا جس طرح حضرت اویس رضی اللہ عنہ ہیں اور

جس طرح حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کا آنا ہے۔ ان سب کا اللہ نے آپ کو شہید بنایا ہے، گواہ بنایا ہے۔

تو شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ یہ سرکار کا نور نبوت ہے۔ جو مجلس میں بیٹھے تھے اُن کو بھی جان رہے تھے اور جو اُن کی پشتوں میں تھے اُن کو بھی جان رہے تھے اور قیامت تک جنہوں نے آنا تھا ان کو بھی جان رہے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نور نبوت کے ساتھ جو اللہ نے انہیں عطا فرمایا ہے۔ اُس کے ذریعے سے وہ ہر چیز کا علم رکھنے والے تھے۔

اس مضمون کو سامنے رکھتے ہوئے مولانا روم نے کہا تھا۔

در نظر بودش مقامات العباد

زیں سبب نامش خدا شاھد نہاد

اُن کی نگاہ میں لوگوں کے مقامات تھے کہ کس کا کیا مقام ہے۔ بود کا مطلب یہ ہے کہ بات بعد میں ہوئی آپ کو پتہ پہلے تھا۔

در نظر بودش مقامات العباد

پہلے سے وہ بندوں کے مقامات کو جاننے والے تھے کہ کس کا درجہ کتنا ہے۔

کس کی حیثیت کیا ہے مولانا روم کہتے ہیں اسی وجہ سے اُن کو شاھد کہا ہے۔ کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے مقامات کا علم بھی عطا فرمایا ہے۔

اب حدیث شریف سے اختصار کے ساتھ چند حوالہ جات اس ابتدائی گفتگو کے بارے میں پیش کرتا ہوں کہ ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے کا انداز سب سے جدا ہے۔ لہٰذا وہ اس بات کے مستحق ہیں کہ آپ کو ناظر کہا جائے۔ اور یہ بات بھی ضمناً میں عرض کر دوں۔

مقامات حریری کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ

اللہ تعالیٰ کو ناظر نہیں کہا جا سکتا۔ اس واسطے کہ ناظر اُسے کہتے ہیں جو ایک خاص انداز سے دیکھتا ہے۔ کہا جاتا ہے۔

نَظَرَ وَلَمْ یَرَہٗ

اُس نے دیکھا مگر اُس کو نظر نہ آیا۔

تو پتہ کیا چلا کہ دیکھنے میں نظر کا جو معنی ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ

ناظر کو کبھی تو چیز نظر آتی ہے اور کبھی نظر نہیں آتی۔

آپ جس وقت عید کا چاند دیکھیں گے تو کچھ دیکھنے والوں کو نظر آئے گا۔ اور کچھ دیکھنے والوں کو نظر نہیں آئے گا۔ تو پتہ چلا کبھی ناظر کو چیز نظر آتی ہے اور کبھی نظر نہیں آتی۔ لیکن خالق وہ ہے کہ جس سے کوئی چیز چھپ نہیں سکتی۔

لوگ ہمارے ساتھ جھگڑا کرتے ہیں کہ یہ "ناظر" اللہ کا نام ہے۔ یہ اللہ کا نام کہاں سے آیا ہے۔

قرآن میں ہے، تورات میں ہے یا زبور میں ہے، انجیل میں ہے؟ یہ صحف میں ہے یا یہ بخاری شریف میں ہے؟ ربّ ذوالجلال کے اسماء توقیفی ہیں اور حاضر و ناظر اللہ کے ناموں سے کوئی نام نہیں ہے۔

لیکن بڑی مشکل ہے "اس لفظ کو اگر استعمال کریں" اِس کو صحیح ماننا پڑے گا۔ پھر اسکی تاویل کرنا پڑے گی۔ ناظر بمعنی موجود لینا پڑے گا۔ ورنہ ربّ ذوالجلال کیلئے اس کا استعمال تو ہے ہی ناجائز۔ جبکہ محبوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عطا سے، اپنی مرضی سے، اللہ کی اپوزیشن کے طور پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کے طور پر اللہ نے یہ شان دی ہے کہ ذرہ ذرہ آپ کے سامنے حاضر ہے۔

احادیث کے چند حوالہ جات

حدیث نمبر 1

بخاری شریف جلد نمبر 1 صفحہ نمبر ۵۹ پر یہ حدیث شریف میں موجود ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی جماعت کرا رہے تھے کہ آخری صف میں کسی نے غلطی کی۔ جب سرکار نے سلام پھیرا تو اُس بندے کو نام لے کے بلایا اور آپ نے ارشاد فرمایا۔

هَلْ تَرَوْنَ قِبْلَتِيْ هٰهُنَا

یعنی کیا تمہیں یہ عقیدہ دیا گیا ہے کہ جب میں آگے دیکھوں تو میں صرف آگے ہی دیکھتا ہوں، مجھے پیچھے نظر نہیں آتا، اے صحابہ کرام

فَوَ اللّٰهِ مَا يَخْفٰى عَلَيَّ خُشُوْعُكُمْ وَلَا رُكُوْعُكُمْ

خدا کی قسم ہے میں آگے دیکھوں تو پھر بھی تمہارے خشوع اور تمہارے رکوع میرے سامنے ہوتے ہیں۔ تمہارا خشوع مجھ سے چھپا نہیں ہوتا، تمہارا رکوع چھپا نہیں ہوتا۔

قسم کے ساتھ آپ نے فرمایا۔ قسم کے بغیر کہیں تو پھر بھی آپ کا جملہ چٹانوں پر نقش ہوتا ہے۔ لیکن آپ نے قسم اُٹھا کر کہا۔

وَاللّٰهِ

مجھے خدا کی قسم ہے، تمہارا رکوع بھی مجھ سے چھپا ہوا نہیں ہے اور تمہارا خشوع بھی مجھ سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ خشوع دل کی حالت ہے۔ رکوع ظاہری حالت ہے۔

محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام جماعت کراتے ہوئے آگے دیکھ رہے ہیں۔ لیکن

آپ نے فرمایا میرے کسی امتی کا یہ عقیدہ نہیں ہونا چاہیے کہ میری جدھر آنکھیں ہوں مجھے ادھر ہی نظر آتا ہے۔

فرمایا: آنکھیں میری آگے ہوتی ہیں لیکن ایسے وقت بھی تم مجھ سے پوشیدہ نہیں ہوتے میں تمہارا رکوع بھی دیکھتا ہوں اور خشوع بھی دیکھتا ہوں۔

ساتھ ہی آپ نے یہ لفظ بول دیئے۔

اِنِّیْ لَاَرٰکُمْ مِنْ وَّرَاءِ ظَھْرِی

میں تمہیں اپنی پشت کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔

یہاں پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ناظر ہونے کی جو حیثیت ہے۔ اُس کو واضح کر دیا گیا ہے۔ کہ جو لوگ حاضر و ناظر کے مسئلے کو اپنی عقل کے چھوٹے سے ترازو پر تولنا چاہتے ہیں انہیں اگر کوئی ترازو لانا ہے تو پھر وہ بھی غیر محدود لانا پڑے گا۔ جو کہ میسر نہیں آئے گا۔ اب کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک انسان نماز میں ہے جس کا چہرہ آگے ہے، آنکھیں آگے ہیں اور جو دیکھنے کا حسی معاملہ ہے وہ رائی مرئی کا مقابلہ ضروری ہے۔ پھر چیز نظر آتی ہے ورنہ نظر ہی کچھ نہیں آتا۔ پھر یہاں بالخصوص نماز کے اندر اللہ کے جمال میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ کوئی ہمارے جیسی نماز تو نہیں ہے۔ یہ تو وہ نماز ہے کہ

داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے

کہ سرکار عرش سے واپس تب آئے تھے۔ جب یہ معاہدہ ہو گیا تھا کہ اے محبوب نماز پنجگانہ میں تجھے عرش والا دیدار عطا کرتے رہیں گے۔ (کشف المحجوب، ص: ۲۳۱، مطبع نوائے وقت پرنٹر)

اتنا گہرا مطالعہ کہ اللہ کی ذات کے جلوے سامنے ہوں اور پھر یہ نگاہوں میں سب کچھ موجود ہے۔ تو ماننا پڑے گا اس طرح دیکھنے کا انداز بھی کائنات میں اور کہیں نہیں ہے۔

حدیث نمبر 2۔

اس بات کو پوری طرح سمجھنے کیلئے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی سامنے رکھیے جو بخاری شریف جلد نمبر 1 صفحہ نمبر ۱۷۹ پر موجود ہے۔

وَاِنّیْ وَاللّٰہِ لَاَ نْظُرُ اِلٰی حَوْضِیْ اَلْآنَ

میرا جو حوض کوثر ہے میں اُس کی طرف دیکھ رہا ہوں۔ انظر مضارع کا صیغہ ہے۔

اب میرا حوض میری آنکھوں کے سامنے ہے، میں اب اپنے حوض کو دیکھ رہا ہوں۔

آپ بیٹھے زمین پر ہیں اور حوض کوثر جنت کا حوض ہے۔ سات آسمانوں کے پار کی مخلوق کے بارے میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم اُٹھا کر کہا۔

وَاللّٰہِ لَاَ نْظُرُ

خدا کی قسم اب دیکھ رہا ہوں، مشاہدہ میرا جاری ہے۔ آپ نے یہ بول کے واضح کیا کہ تم آپ کی آنکھ کو یوں ہی نہ سمجھو بلکہ یوں سمجھو جیسے فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے کہا۔

؎ کس کو دیکھا یہ موسیٰ سے پوچھے کوئی
آنکھ والوں کی ہمت پہ لاکھوں سلام

یہ انداز اُن کے دیکھنے کا ہے۔ دیکھتے اس انداز میں ہیں کہ

؎ سر عرش پہ ہے تیری گذر دل فرش پہ ہے تیری نظر
ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب میں دیکھ رہا ہوں۔ میرا حوض میرے سامنے ہے۔ میں اس کا مشاہدہ کر رہا ہوں۔ اگر آپ کی آنکھوں کو اپنی آنکھوں جیسا سمجھنا ہوتا تو صحابہ کہتے کہ ہمیں تو نظر نہیں آ رہا۔ آپ کو کیسے نظر آ رہا ہے۔

نہیں نہیں! انہیں سرکار نے سمجھایا ہوا تھا کہ

اِنِّیْ اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ وَاَسْمَعُ مَالَا تَسْمَعُوْنَ

(جامع ترمذی ۲/ ۵۷، مسند امام احمد: ۵/ ۱۷۳)

میں وہ دیکھتا ہوں جو تمہیں نظر نہیں آتا اور میں وہ بھی سن لیتا ہوں جو تمہیں سنائی نہیں دیتا۔

حدیث نمبر 3:

میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں۔

حَیَاتِیْ خَیْرٌ لَّکُمْ

جب تک میں تمہارے سامنے ہوں خیر ہی خیر ہوں۔

تُحَدِّثُوْنَ وَ یُحَدَّثُ لَکُمْ

تم مجھ سے بات کرتے ہو اور میں تمہارے سامنے مسائل بیان کرتا ہوں۔

تم بولتے ہو تو تم سے بولا جاتا ہے تم باتیں کرتے ہو تو تمہاری باتوں کا جواب دیا جاتا ہے۔

وَوَفَاتِیْ خَیْرٌ لَّکُمْ

جب میں اپنی قبر شریف میں چلا جاؤں گا پھر بھی میرا فائدہ باقی رہے گا۔

وہ کیسا امتی ہو سکتا ہے جو فائدے کا علی الاطلاق انکار کر رہا ہو کہ کوئی فائدہ نہیں دے سکتے، کوئی نفع نہیں دے سکتے، یہ نہیں کر سکتے یا وہ نہیں کر سکتے۔

میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

میرے نفعے دائمی ہیں، سدا بہار ہیں۔ جب تک زمین کے اوپر ہوں پھر بھی نفع

ہی نفع ہے اور جب زمین کے اندر ہوں گا تو پھر بھی نفع ہی نفع ہو گا۔ تمہارے لئے میں خیر ہوں۔ اس خیر کو خود بیان کیا کہ جب تک سامنے ہوں خیر ہوں سب کو پتہ ہے کہ جب دل پریشان ہو گا تو سرکار کا چہرہ دیکھیں گے سارے غم دور ہو جائیں گے۔

رونے والوں کو ہنسنے کی بہاریں مل جائیں گی سرکار کی زیارت سے چودہ طبق روشن ہو جائیں گے اور عرش کے فیصلوں کی اطلاع چلتی رہے گی۔ کائنات کے سربستہ راز کھلتے جائیں گے۔

جو فلسفیوں سے حل نہ ہوا اور نکتہ وروں سے کھل نہ سکا

وہ راز اس کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

یہ ساری صورتحال سب کے سامنے ہے۔ خیر کا سلسلہ تھا لیکن فرمایا جب میں اپنے روضۂ پاک میں ہوں گا تو پھر بھی تمہارے لیے خیر ہی خیر ہوں۔

اسکی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

تُعْرَضُ عَلَيَّ أَعْمَالُكُمْ

خیر یہ ہے کہ تمہارے اعمال کی حاضری لگے گی۔ میں تمہارے اعمال دیکھوں گا۔ مجھ پر پیش کیے جائیں گے۔

اب یہ پیش کرنے کا جو انداز ہے یہ اہتمام کیلئے ہے۔ جس طرح فرشتے سبحان اللہ کو ایک پلیٹ میں رکھ کے اللہ کے دربار میں پیش کرتے ہیں۔ اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ کو ویسے سنائی نہیں دی۔ مطلب یہ ہے کہ کلمہ بڑا عزت والا ہے۔

ایسے ہی سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار کا ایک اہتمام ہے۔ فرشتوں کی ڈیوٹی ہے کہ اعمال سامنے رکھو اور یہ محبوب علیہ السلام کے دیکھنے کا انداز ہے۔

فرمایا: قیامت تک مجھ پر تمہارے اعمال پیش ہوتے رہیں گے۔ میرے بعد والے میرے غلامو! مجھے یاد رکھنا کبھی بھی ایسے نمازیں نہ پڑھنا کہ تمہاری نمازوں کو میں چیک نہیں کر رہا اور کبھی بھی روزے یوں نہ رکھنا کہ تمہارے روزے میرے پاس پیش نہیں ہو رہے۔

اللہ کیلئے جو تمہارے اندر خلوص ہے وہ تو ہونا چاہیے۔ لیکن میں تمہارا وارث ہوں۔ میں نے رب کے دربار میں تمہارے لئے نمائندگی کرنی ہے۔ میرا بھی لحاظ رکھو۔ مجھے شرمندگی نہ دلانا، یوں کام کرو کہ میں بھی خوش ہو جاؤں اور میرا رب بھی خوش ہوتا رہے۔ تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جائیں گے۔ تو کیا ہوگا، فرمایا۔

فَمَا رَأَيْتُ مِنْ خَيْرٍ حَمِدْتُ اللّٰهَ عَلَيْهِ

پھر میں جو تمہارا اچھا کام دیکھوں گا تو میں اس پر اللہ کی تعریف کروں گا۔

اللہ کا شکر کروں گا، اُسکی حمد کروں گا کہ میرے وصال کر جانے کے بعد بھی اس امت میں خیر کا سلسلہ موجود ہے۔ پھر فرمایا۔

فَمَا رَأَيْتُ مِنْ شَرٍّ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ (کنز العمال: ۳۱۹۰۳)

اگر کہیں مجھے تمہاری غلطی نظر آئے گی۔ شر نظر آئے گا۔ تو میں تمہارے لئے فائدہ ہوں۔ کیسے؟ آپ نے فرمایا کہ میں تمہارے گناہوں کی معافی کیلئے اللہ سے استغفار کروں گا۔

اتنے شفیق، اتنے رحیم، اتنے کریم ہیں کہ آپ نے فرمایا میرا فائدہ بھول نہ جانا اور پھر یہ کتنی عظمت ہے ان لوگوں کی کہ جو سرکار کے بارے میں یہ یقین رکھتے ہیں۔

کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

بعد از وصال بھی میرے فائدے برقرار رہیں گے۔ وہ فائدہ یہ ہے کہ جب تم سے غلطی ہو جائے گی۔ مجھے پتہ چل جائے گا تو اللہ تعالیٰ سے تمہارے بارے میں سفارش کر دوں گا۔

لہٰذا یہ دیکھنے کا انداز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آج بھی برقرار ہے اور جو یوں دیکھتے ہوں اُن کو ہی ناظر کہا جاتا ہے۔

حدیث نمبر 4

بالخصوص طبرانی نے اس کو روایت کیا ہے اور مواہب اللدنیہ میں بھی موجود ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ قَدْ رَفَعَ لِیَ الدُّنْيَا

اللہ نے میرے لئے دنیا کو اُٹھایا، دنیا میرے سامنے کر دی۔

فَاَنَا اَنْظُرُ اِلَيْهَا

میں اُس کو دیکھتا ہوں۔

وَاِلٰى مَاهُوَ كَائِنٌ فِيْهَا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

صرف آج کی دنیا کو ہی نہیں بلکہ قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے۔ میں سب کو دیکھ رہا ہوں۔ کس طرح

كَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلٰى كَفِّیْ هٰذِهٖ (مواہب اللدنیہ: ۵۵۹/۳)

جیسے اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں۔

پوری کائنات، پوری دنیا محبوب علیہ السلام کے سامنے حاضر ہے اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے ناظر ہیں۔ اس حدیث میں "اَنَا اَنْظُرُ اِلَيْهَا" یہ جو جملہ ہے یہ

بڑا قابل غور ہے۔ یہ نہیں فرمایا کیونکہ پہلے رفع کا لفظ ماضی کا تھا کہ اللہ نے اٹھایا تو لفظ آنا چاہیے تھا" نَظَرْتُ اِلَيْهَا " میں نے دیکھا۔لیکن " نظرت "نہیں فرمایا۔صرف " اَنْظُرُ" بھی نہیں فرمایا بلکہ " اَنَا اَنْظُرُ اِلَيْهَا " فرمایا۔

یہ میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ ہیں اور میرے استاد محترم استاذ العرب والعجم شیخ المدرسین بلکہ ملک المدرسین حضرت علامہ عطا محمد بندیالوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ جملہ اسمیہ ہے۔اس میں خبر جملہ فعلیہ ہے۔

ایسا جملہ اسمیہ جس کے اندر خبر جملہ فعلیہ ہو تو وہ دوام اور تجدد پر دلالت کرتا ہے لہٰذا محبوب علیہ السلام یہ بیان کر رہے ہیں۔

اَنَا اَنْظُرُ اِلَيْهَا

قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے۔ہر لمحہ میری نظر اُس پر پڑ رہی ہے۔

" نظرت " نہیں فرمایا! اللہ نے اٹھایا میں نے دیکھا معاملہ ختم ہو گیا..... نہیں نہیں...... اَنَا اَنْظُرُ اِلَيْهَا ، یہ دوام وتجدد ہے۔سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم آپ مسلسل اپنی توجہ فرما رہے ہیں اور جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عطا سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس منصب پر موجود ہیں جو اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے آپ کو عطا فرمایا ہے۔

یہ ہمارا انداز ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ کہیں آنے جانے کی ضرورت ہے اور نہ کسی کی ٹکٹ کی ضرورت ہے۔ نہ کرائے کی ضرورت ہے لوگوں نے جو اعتراض بنا رکھے ہیں کہ وہ آئیں گے کیسے اور جائیں گے کیسے؟ ان سارے معاملات کی ضرورت ہی نہیں ہے۔پوری کائنات یوں حاضر ہے جیسے ہاتھ کی ہتھیلی ہوتی ہے۔

یہ حاضر ہیں اور سرکار اس پر نظر فرما رہے ہیں۔

باقی حضور صلی اللہ علیہ وسلم جسمانی طور پر جو خوش نصیبوں کیلئے نظر کرم فرماتے ہیں اُس کا امکان موجود ہے۔ لیکن یہ دائمی طور پر اللہ تعالیٰ نے یوں حجابات اُٹھا رکھے ہیں اور اگر حکمت کا تقاضا ہو تو اُس کا اظہار کرتے ہیں۔ ہر کام اللہ تعالیٰ کی حکمت کے دائرے کے مطابق ہوتا ہے اور اس کی کوئی مخالفت نہیں ہوتی۔

یہ وہ عقیدہ ہے جو قرآن و سنت نے ہمیں نبی علیہ السلام کے بارے میں عطا فرمایا ہے۔

تَشَہُّد اور عقیدہ حاضر و ناظر

جو ہم نماز میں تشہد پڑھتے ہیں وہ تشھد ابن مسعود ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ تشھد ہاتھ میں پکڑ کر یوں پڑھایا جیسے قرآن کی صورت پڑھائی جاتی ہے۔ بخاری شریف میں اسکا ذکر ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ کہتے ہیں مجھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہا

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ۔ (بخاری شریف: ۱/۱۱۵)

یہ تشھد کے الفاظ ہیں یہ ہم نے گھڑے نہیں ہیں۔ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اور صحیح بخاری شریف جلد نمبر 1 صفحہ نمبر ۱۱۵ پر یہ الفاظ موجود ہیں اب اس تشھد میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہتے ہوئے۔

"اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ" کا لفظ بولا گیا۔

سلام ہو تجھ پر اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

اب قیامت تک لوگوں نے نماز پڑھنی ہے اور جب یہ حکم دیا جا رہا تھا تو نبی علیہ السلام کو پتہ تھا کہ صرف مدینہ شریف والے ہی نہیں مکہ شریف والے اب بھی یہ پڑھیں گے اور دوسرے شہروں والے جہاں جہاں اسلام پہنچ رہا ہے، یمن والے، حجاز والے، روم والے اور شام والے، اُن تک یہ پیغام پہنچ چکا ہے۔ وہ نماز پڑھیں گے اور پھر بعد میں قیامت تک کے لوگ یہ پڑھیں گے۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُه

سلام ہو تجھ پر اے نبی اور اللہ کی رحمتیں ہوں اور برکتیں ہوں۔

اس میں لفظ "علیك" میں جو لفظ ک ہے۔ اس میں اس عقیدے کو شامل کر دیا گیا کہ نمازی جب بھی نماز پڑھے گا تو عملاً اس بات کی گواہی دے گا کہ میں محبوب علیہ السلام کو حاضر و ناظر ماننے والا ہوں۔

یہاں پر میں نے امت کے ائمہ کے چند ملفوظات اکٹھے کیے ہیں۔ اور ان کا ہر ہر لفظ خوشبو سے بھرا ہوا ہے۔ اتنی اُس میں لذت ہے کہ اگر کوئی شخص اس عقیدے سے نماز پڑھتا ہے تو خدا کی قسم کائنات میں کسی مقام پر اتنی لذت نہیں آتی جتنی نماز میں دو مقامات پر آتی ہے۔

پہلا مقام:۔

ایک وہ مقام ہے کہ جس وقت نمازی کہتا ہے۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ

اگر کوئی بندہ پورے حضور قلب کے ساتھ کھڑا ہے تو خدا کی قسم ہے اس میں وہ

لذت ہے جو دنیا کے کسی فعل میں اور دنیا کی کسی پینے کی چیز میں، کسی کھانے کی چیز میں اور کسی لذیز چیز میں وہ لذت نہیں ہے جتنی لذت ان جملوں میں ہے۔

اور ایمان بالغیب کا پورا پیکر بن کر یوں بول رہا ہو جیسے اللہ تعالیٰ کو دیکھ کے بول رہا ہے تو اُس وقت حجاب اُٹھ جاتے ہیں۔

دوسرا مقام۔ رسول اکرم ﷺ کو ''ک'' کے ساتھ خطاب کرنے کا سبب کیا ہے؟

دوسرا لمحہ اور مقام یہ ہے کہ جس وقت نمازی حالت تشہد میں یہ کہتا ہے۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ

صدیوں بعد بھی آج منظر تازہ ہوتا ہے، سلام ہو تجھ پر اے نبی اس میں کاف خطاب کا سبب کیا ہے۔

''ک'' سے خطاب کی تین وجوہات

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اشعۃ اللمعات کی جلد نمبر 1 صفحہ نمبر 401 پر اسکی وضاحت کی ہے کہ ''ک'' سے خطاب کی تین وجوہات ہیں۔

پہلی وجہ:

وجہ خطاب بآنحضرت بجہت ابقائے این کلام است بر انچہ دراصل بود

خطاب کرنے کی پہلی وجہ یہ ہے کہ جس طرح اصل کلام تھا ویسے ہی اُس کو باقی رکھا جائے۔ جس طرح آغاز میں تھا ویسے ہی اس کو رہنے دیا جائے۔

یہ آغاز میں کیسے تھا؟ آپ فرماتے ہیں۔

در شب معراج از جانب پروردگار تعالیٰ وتقدّس بر آنحضرت خطاب بسلام آمد

یہ جملہ اصل میں" (السلام علیك ایھا النبی) ''معراج کی رات رب نے اپنے محبوب سے فرمایا تھا اس لیے تو اس کو یوں ہی باقی رکھا گیا۔ کیوں؟

پس آنحضرت درحین تعلیم امت نیز همان لفظ اصل گذاشت تا ایشاں را مذکر آن حال گرد۔

سرکار نے یہ جملہ اُسی طرح رکھا کیونکہ میرے غلام خود تو عرش پر جا کر معراج نہیں کریں گے مگر میری معراج کو تو یاد کرتے رہیں۔

مذکر آن حال گردد

جب بھی نماز میں ہونگے تو انہیں میرے خیال سے معراج کا خیال آئے گا۔

کہ معراج میں اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ یوں گفتگو کی۔اور مجھے اس petren میں سلام کہا تو سرکار نے فرمایا یہی باقی رکھیں گے تا کہ امتی کو بھی وہ سلام کہنے کا شرف مل جائے۔

اب دیکھو ہمارا کتنا بھلا ہو گیا۔ قیامت تک ہم تڑپتے رہتے کہ کاش ہمیں وہ انداز ملے جیسے رب اپنے محبوب کو سلام کرتا ہے۔ اگر پتہ نہ چلتا تو کتنا خسارہ ہو جاتا۔

سرکار نے فرمایا غلاموں میں تمہیں سہارا دیتا ہوں وہ مقام کہ

''غنچے مااوحی کے جو چٹکے دنی کے باغ میں
بلبل سدرہ تو اُس کی بو سے بھی محرم نہیں''

جہاں کے معاملات کی خبر طائر سدرہ نشین جبرئیل کو بھی نہیں تھی آپ نے فرمایا کہ ایک بات تو میں اپنی امت کو بتا رہا ہوں۔ اُن میں سے ایک بات یہ ہے کہ جس وقت میں عرش پہ گیا تھا تو میرے رب نے مجھے یہ سلام کہا تھا میرے غلامو! میں نے تمہیں نماز معراج کا تحفہ دیا ہے، تم یہ سلام مجھے اسی انداز میں کیا کرو۔

دوسری وجہ:۔

نیز ...... آں همیشه نصب العین مومناں وقرة العین عابداں است

"عـلـيك" کہنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ محبوب علیہ السلام تو ہر وقت مومنوں کی آنکھ کے سامنے ہوتے ہیں۔

نصب العین مومناں

میرا محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام تو ہمیشہ عاشقوں کے سامنے ہوتا ہے اور مومنوں کے نصب العین ہیں۔

وقرة العین عابداں است

اور عبادت کرنے والوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں۔

لہٰذا:

در جمیع احوال و اوقات خصوصا در حالت عبادت

ہر وقت ہی تمام احوال میں اور تمام اوقات میں یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عابدوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں۔ اگر کوئی زندہ ضمیر انسان ہے تو سرکار اُس کے نصب العین ہیں۔

خصوصًا در حالت عبادت

بالخصوص حالت عبادت میں تو یہ کیفیت بڑھ جاتی ہے۔

آں که وجود نورانیت وانکشاف دریں محل بیشتر و قوی تر است

نماز میں تو سارے پردے ہی اُٹھ جاتے ہیں۔

اس واسطے یہاں پر غلاموں کو" علیک "ضرور کہنا چاہیے۔

ویسے بھی یہ جائز ہے لیکن بالخصوص نماز میں پابندی کروائی گئی کہ جس میں اللہ نے سب سے زیادہ قرب اپنے بندے کو دیا ہے۔ چونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ساری کائنات سے بڑھ کر اللہ کے قریب ہیں تو جو دو قریبوں میں سے ایک کے قریب ہو تو وہ دوسرے کے بھی ضرور قریب ہوتا ہے۔اب بندہ نماز پڑھ کے اللہ کے قریب ہوا ہے تو سرکار کا قرب بھی ضرور مل جائے گا۔

آپس میں دو قریب چیزوں میں کسی کے جو قریب ہوتا ہے وہ دوسرے کا قریبی ضرور بن جاتا ہے، لہٰذا جب اس بات کو مانتے ہو کہ نماز کے اندر بندے کو اللہ کا قرب میسر ہے تو پھر سرکار کا قرب بھی میسر ہو گیا ہے۔اس واسطے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ربیعہ نے کہا کہ

اَسْئَلُکَ مُرَافَقَتَکَ فِی الْجَنَّۃِ

میں جنت میں آپکا قرب چاہتا ہوں اور جنت میں آپ کی سنگت چاہتا ہوں۔

اس پر سرکار علیہ السلام نے فرمایا:

اَعِنِّیْ عَلٰی نَفْسِکَ بِکَثْرَۃِ السُّجُوْدِ (مشکوٰۃ شریف:۸۴)

اگر جنت میں میری سنگت چاہتے ہو تو پھر سجدے زیادہ سے زیادہ کیا کرو۔ سجدے میں اللہ کا قرب بھی ہے اور میرا قرب بھی ہے۔

نماز کے اندر علیک کو اس لئے برقرار رکھا گیا کہ یہ ایک خصوصی حالت ہے۔

اس سے بندے کو قرب حاصل ہے اور جن کو دیکھے، جن کے قریب ہو، جن کے سامنے ہو، انہیں پھر غائب سے نہیں، آمنے سامنے سلام کہنا چاہیے۔

اس واسطے نمازی کہتا ہے" السلام علیك ایها النبی ورحمة الله و بر کاته "

تیسری وجہ:۔

وبعضے از عرفا گفتہ اند

بعض عارفوں کا یہ قول ہے، صوفیاء کا قول ہے۔ جن کے دل کا آئینہ بڑا صاف ہے۔

کہ این خطاب بجهت سریان حقیقت محمدیہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم است در زرائر موجو دات و افراد ممکنات۔

یہ خطاب اس لئے ہے کہ کائنات کی بقا سرکار کے دم قدم سے ہے۔ ممکنات میں سرکار کے جلوے سرایت کر چکے ہیں۔ اور پورے موجودات کے ذرے ذرے میں اُن کے مرتبہ و مقام کے مطابق سرکار کی جلوہ گری اُن جگہوں کے شایاں شان ہے۔ اس لیے وہ کہتے ہیں کہ وہاں محبوب علیہ السلام کی جلوہ گری ضروری ہوتی ہے۔

پس آنحضرت در ذات مصلّیان موجود حاضر است

تو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نمازیوں کی ذوات کے اندر موجود ہیں اور حاضر ہیں

پس مصلّی باید

تو نمازی کو چاہیے۔

کہ ازیں معنی آگاہ باشد

وہ یہ معنی پڑھ کے پھر نماز پڑھا کرے کہ میں سرکار کے دربار میں ہوں۔

اور آپ کے دربار میں " السلام علیك " کہنے والا ہوں۔ یہ نہ ہو کہ دل تو غافل ہو اور زبان سے سلام کہہ رہا ہو، ہوسکتا ہے کہ سرکار ناراض ہو جائیں کہ سلام تو مجھے کرتا ہے لیکن دھیان میری طرف کرتا ہی نہیں، سلام کا جواب لینا ہے جبکہ یہ میری طرف دھیان کر ہی نہیں رہا۔

لہٰذا جواب کے وصول کے لئے دھیان بھی کرنا چاہیے کہ میں جدھر سلام کر رہا ہوں۔ وہ خود سنتے بھی ہیں اور جواب بھی ارشاد فرماتے ہیں۔

شیخ عبدالحق فرمانے لگے۔

ازیں شهود غافل نه بود

اس شہود سے نمازی کو غافل نہیں ہونا چاہیے۔

تاباںوار قرب واسرارِ معرفت متنور وفائض گرد (اشعۃ اللمعات:۱/۴۰۱)

تا کہ نمازی کو پتہ چلے کہ محبوب علیہ السلام کے انوار برستے کیسے ہیں اور یہ بھی اُن کے انوار کے ساتھ منور ہو جائے۔

یہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا عقیدہ ہے۔ جس کو محقق علی الاطلاق کہا جاتا ہے۔ پھر یہ ماننا پڑے گا کہ یہ کائنات کی دائمی حقیقت ہے۔

اب یہ حضرت عبدالحق محدث دہلوی بریلی شریف کے فارغ التحصیل نہیں ہیں کہ اعلیٰ حضرت نے ان کو یہ پڑھا دیا ہو۔ چونکہ یہ پوری امت کا عقیدہ ہے۔ اور یہی صفہ سے لیکر بدر و حنین اور بعد کے سارے مراکز میں خوشبو ہے۔

یہ خوشبو حقیقت میں وہاں سے چل کے آرہی ہے اور فاضل بریلوی نے اُسی حقیقت کو اجاگر کر دیا ہے۔

السلام علیک کہتے وقت نماز کی کیفیت امام غزالی کی نظر میں

امام غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں۔ (جلد 1 صفحہ 199)

قولك السلام عليك

جب تو ''السلام علیک'' کہے تو کیا کر؟

اَحْضِرْ شَخْصَهُ الْكَرِيْمَ فِيْ قَلْبِكَ

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صورت کو اپنے دل میں بسا لے۔

وليصدق أملك في انه يبلغه ويردّ عليك (المرقاة: ۲/۳۳۲)

اور تمہاری امید اس بات میں کامل ہونی چاہیے کہ جو میں بول رہا ہوں سرکار اُس کو سنیں گے بھی اور جواب بھی ارشاد فرمائیں گے۔

حالت تشہد میں بندے کی حالت امام رازیؒ کی نظر میں

حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر جلد نمبر 1 صفحہ نمبر 281 پر فرماتے ہیں کہ جب بندہ تشہد میں ہوتا ہے تو اس وقت حالت کیا ہوتی ہے۔

ثُمَّ فِيْ هٰذَا الْمَقَامِ

جب نمازی حالت تشہد میں ہوتا ہے تو کیا ہوتا ہے۔

يَصْعَدُ نُوْرُ رُوْحِكَ وَ يَنْزِلُ نُوْرُ رُوْحِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

تمہاری روح کا نور اوپر اٹھتا ہے اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کا نور نیچے اترتا ہے۔ ادھر سے عروج ہے کہ یہ جاننا چاہتا ہے کہ سرکار دستگیری فرمانا چاہتے ہیں۔ اگر سرکار اوپر رہیں تو نچلی روح بیچاری کیسے پہنچ سکے گی اس لیے وہ کرم فرماتے ہیں یہ مقام مقام تشہد ہے۔ ادھر سے نمازی کی روح اُٹھتی ہے۔ اوپر کی طرف اور ادھر سے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح مبارک نیچے آتی ہے۔ تو کیا ہوتا ہے۔

فَيَتَلَاقَى الرُّوْحَانِ

دونوں روحوں کی ملاقات ہو جاتی ہے۔

دونوں روحیں مل جاتی ہیں۔ ایک امتی کی روح اور ایک پیغمبر کی روح کی آپس میں ملاقات ہوجاتی ہے۔

فَيَحْصُلُ هُنَاكَ الرُّوْحُ وَالرَّاحَةُ وَالرَّيْحَانُ

جب ملاقات ہوتی ہے تو خوشبو بھی ہوتی ہے۔ رحمت بھی ہوتی ہے اور راحت بھی ہوتی ہے۔

جس وقت نمازی تشہد میں پہنچا، ادھر سے اُس کی روح کا نور اُٹھا سرکار کی روح کا نور نیچے آیا دونوں ارواح کی آپس میں ملاقات ہوگی۔

فَلَا بُدَّ لِرُوْحِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَّحْمِدَةٍ وَتَحِيَّةٍ

جو روح اتنی صدیوں کے بعد بھی دستگیری کر رہی ہو تو پھر اُس کی تعریف ضرور کرنی چاہیے، اُس کی توصیف کرنی چاہیے اور وہاں کوئی تحفہ بھیجنا چاہیے۔

امام رازی نے اسرار نماز کو بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

یہ وجہ ہے کہ جس کی بنیاد پر امتی نماز میں کہتا ہے۔

السلام علیك ایها النبی

سلام ہو تجھ پہ اے نبی۔ آپ نے مجھ پہ کتنی بندہ نوازی کی ہے کہ آج بھی آپ نے میری روح کو دلاسا عطا فرمایا ہے۔

یہ انداز صلحاء امت کا ہے۔ اس انداز میں کتنی حکمتیں ہیں اور کتنی برکتیں ہیں۔

وہ لوگ جو آج مفکرین کی صف میں شمار ہوتے ہیں۔ اُن کا جو Grand Father ہے اُن کے ہاں بھی ایسی باتیں ملتی ہیں۔

ابن قیم کے نزدیک "السلام علیک ایھا النبی" کہنے کی وجہ

بدائع الفوائد کے اندر ابن قیم نے اس بات کی وضاحت کی ہے اور باقاعدہ اُس نے ہیڈنگ دی ہے کہ

جو صلاۃ پڑھی جاتی ہے وہ تو غائبانہ صیغے سے ہے اور سلام مخاطب کے صیغے سے ہے۔ " اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْکَ " نہیں کہا جاتا بلکہ " اللھم صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ " کہا جاتا ہے۔ یہ غائب کے حکم میں ہے۔ لیکن سلام دیتے وقت یہ نہیں کہا جاتا " اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ " بلکہ کہا جاتا ہے۔ " السلام علیك ایھا النبی "

اس پر ابن قیم نے باقاعدہ بڑی لمبی بحث کی کہ اس کا سبب کیا ہے۔

کہنے لگے وجہ یہ ہے کہ چونکہ درود بھیجتے وقت شروع میں " اللھم " آ گیا ہے اور اس کے بعد " صلّ " ہے تو وہ خطاب کا ہے۔ اب عربی زبان کا تقاضا ہے کہ جو اگلے صیغے ہیں اُن میں خطاب اللہ تعالیٰ کے لحاظ سے ہونا چاہیے، کسی اور ذات کیلئے یہاں خطاب نہیں ہونا چاہیے۔ لہٰذا " اللّٰھم صل علیك " کہنے سے معنی یہ بنے گا کہ اللہ پر صلوٰۃ بھیجتا ہے۔ اس واسطے وہاں پر گرائمر کی مجبوری کی وجہ سے خطاب ممکن نہیں رہا۔

لیکن جو " السلام علیك ایھا النبی " ہے یہاں پھر وہ کہتے ہیں جب تک خطاب نہیں ہوگا، لذت پوری نہیں ہوگی۔

سلام بطور خطاب کہنے میں انوکھی حکمت

ابن قیم نے اس مقام پر اس بات کو پورے وثوق کے ساتھ بیان کیا۔

اَمَّا السَّلَامُ عَلَيْهِ فَاْتِيَ بِلَفْظِ الْحَاضِرِ الْمُخَاطَبِ تَنْزِيلاً لَهُ مَنْزِلَةَ الْمُوَاجِهِ لِحِكْمَةٍ بَدِيْعَةٍ جِدًّا

یہاں پر جو سلام بطور خطاب کیا جاتا ہے تو اس میں بڑی انوکھی حکمت ہے۔

وَهِيَ اَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا كَانَ اَحَبَّ اِلَى الْمُؤْمِنِ مِنْ نَفْسِهِ الَّتِي بَيْنَ جَنْبَيْهِ

جب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم بندے کی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔

اور مومن وہ ہوتا ہے جسے سرکار جان سے بھی زیادہ محبوب ہوں۔ تو پہلی وجہ ابن قیم نے یہ بیان کی کہ سرکار ہر بندے کو اسکی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔

فَاَوْلٰى بِهٖ مِنْهَا وَاَقْرَبُ

وہ جان سے زیادہ محبوب بھی ہیں اور زیادہ قریبی بھی ہیں۔

اس معنی پر بھی کچھ لوگ پھڈا ڈالتے ہیں۔

"اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ" کہ یہاں اولی بمعنی اقرب نہیں ہوسکتا۔

ابن قیم تو اقرب پر ساری بنیاد بنا رہا ہے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم ہر مومن کی جان سے پیارے بھی ہیں اور مومن کیلئے جان سے قریب بھی ہیں۔

ابن قیم کہتے ہیں جو اتنا قریب ہو اُسے پھر دور سمجھ کے سلام نہیں دینا چاہیے۔ تو جو قریب ہو اس کے لئے "کَ" استعمال کیا جاتا ہے۔

"اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ"

جس سے تم ملاقات کرتے ہو تو اس سے السلام علیک کہتے ہو۔ بندہ تمہارے سامنے ہو اور تم اسے کہتے رہو "السلام علیہ" تو یہ مطلب غلط ہو جائے گا۔

سامنے ہے تو سامنے کہو" السلام علیکم"

ابن قیم کہتے ہیں کہ ہر مومن یہ مانتا ہے کہ وہ مجھے جان سے محبوب بھی ہیں اور میرے لئے جان سے قریب بھی ہیں تو جو جان سے قریب ہوں اُن کو سلام غائبانہ نہیں حاضرانہ پیش کیا جاتا ہے۔

وَ كَانَتْ حَقِيقَتُهُ الذِّهْنِيَّةُ وَ مِثَالُهُ الْعِلْمِيُّ مَوْجُودًا فِيْ قَلْبِهٖ

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت ذھنیہ اور وجود علمی مومن کے دل میں ہوتا ہے۔

بِحَيْثُ لَا يَغِيْبُ عَنْهُ اِلَّا شَخْصُهُ

بظاہر وہ غائب ہے لیکن حقیقت میں دل میں موجود ہیں۔

ابن قیم شعر پیش کر کے کہنے لگا۔

مِثَالُكَ فِيْ عَيْنِيْ وَذِكْرُكَ فِيْ فَمِيْ
وَ مَثْوَاكَ فِيْ قَلْبِيْ فَأَيْنَ تَغِيْبُ

تمہاری تصویر تو میری آنکھوں میں ہے۔ یہ کسی نے اپنے محبوب کیلئے کہا جبکہ یہ سب سے بڑے محبوب کیلئے کہنا چاہیے۔

مِثَالُكَ فِيْ عَيْنِيْ

تمہارا منظر تو میری آنکھوں میں ہے اور تمہارا ذکر میری زبان پر ہے۔ اور تمہارا ٹھکانہ میرے دل میں ہے تو میں تجھے غیب کہوں تو کیسے کہوں۔

فَأَيْنَ تَغِيْبُ

پھر تو غیب کیسے ہے تو غیب نہیں، ...... اے محبوب تو حاضر ہے۔ تمہارا جلوہ میری نگاہ میں، تمہارا ذکر میری زبان پر، اور میرا سینہ تمہارا مدینہ ہے پھر تم غیب کیسے ہو جو

عیب نہ ہوں اُن کو "السلام علیك ایھا النبی" کہا جاتا ہے۔

اس کو بیان کرتے ہوئے ابن قیم نے کہا

مَنْ كَانَ بِهٰذَا الْحَالِ فَهُوَ الْحَاضِرُ حَقًّا

جو ایسا ہو وہ حاضر ہوتا ہے۔

منکرین یہاں جو ہم پر اعتراض کرتے ہیں کہ تم سرکار کو حاضر کہہ کے آپ کی توہین کرتے ہو تو ہم اِن کو آئینہ دکھانا چاہتے ہیں کہ "حاضر" ابن قیم نے بھی اس انداز میں کہا ہے۔

فھو الحاضر حقًا

حقیقی حاضر یہ ہیں۔

وَ غَيْرُهٗ وَاِنْ كَانَ حَاضِرًا لِلْعِيَانِ فَهُوَ غَائِبٌ عَنِ الْجِنَانِ

کہنے لگا کہ باقی جو سامنے نظر آرہے ہیں یہ تو غائب ہیں۔

سرکار کے سوا باقی جو بندے نظر آرہے ہیں۔ابن قیم کہتے ہیں یہ حقیقت میں غائب ہیں حاضر نہیں ہیں۔سرکار حقیقت میں بندے کے سامنے موجود ہیں اور حاضر ہیں۔لہٰذا

فَكَانَ خِطَابُهٗ خِطَابَ الْمُوَاجَهَةِ

اس وجہ سے پھر آپ سے خطاب مواجھۃ کا ہونا چاہیے یعنی علیک بولنا چاہیے

وَالْحُضُوْرُ بِالسَّلَامِ عَلَيْهِ

اور حاضر ہونے کے انداز کا سلام دینا چاہیے۔

اَوْلٰى مِنْ سَلَامِ الْغَيْبَةِ (بدائع الفوائد ص 287)

لہٰذا "علیہ" کے مقابلے میں "علیک" کہنا اولی ہے۔کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب روح سے بھی زیادہ قریب ہیں اور حقیقی طور پر حاضر ہیں تو ابن قیم کہنے لگے۔

پھر ایسے رسول کو بطور خاص حالت تشہد میں علیک کہتے ہوئے اپنی طرف سے سلام کا تحفہ پیش کرنا چاہیے۔

غائب سے خطاب کی طرف عدول کرنے میں حکمت

حضرت امام بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ عمدۃ القاری میں اپنا ایک انداز پیش کرتے ہیں وہ انداز بھی بڑا خوبصورت ہے۔ یہ سارے کے سارے امام ہیں۔

امام بدرالدین عینی کی کتاب عمدۃ القاری کی جلد نمبر 4 صفحہ نمبر 585 پر یہ حدیث شریف ہے۔آپ سوال کرتے ہیں۔

مَا الْحِكْمَةُ فِيْ الْعُدُوْلِ عَنِ الْغَيْبَةِ اِلٰى الْخِطَابِ

اس میں حکمت کیا ہے کہ یہاں پہلے سلسلہ غائب کا تھا لیکن آگے اس کو خطاب میں بدل دیا گیا۔

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ

پہلے اللہ کے لئے ذکر ہوا تو غائب سے ہوا۔ چونکہ جو نام ہوتے ہیں یہ غائب کا معنی دیتے ہیں۔" التحیات لك "نہیں کہا۔ کہ ساری قولی بدنی عبادتیں تیرے لئے ہیں بلکہ کہا گیا"التحیات للّٰہ" تمام تحیات اللہ کیلئے ہیں۔

اس اسلوب کا تقاضا تھا کہ آگے یہ ہوتا" والسلام علی رسولہ"

کہ سلام ہو اللہ کے رسول پر لیکن پہلے جو انداز تھا اُس کو تبدیل کر دیا گیا۔

وہ غائب والا انداز چھوڑ کے خطاب والا بنایا گیا۔

قیامت تک کے جتنے سربستہ راز تھے وہ سرکار کے سامنے حاضر تھے اور پھر میں کہوں گا۔

تیری نظر خار زار شب میں گلاب تحریر کر چکی تھی
اجاڑ نیندوں کے خواب میں انقلاب تحریر کر چکی تھی
میرے ذہن کے فلک پر جو سوال چمکے تو میں نے دیکھا
تیرے زمانے کی خاک اُن کے جواب تحریر کر چکی تھی

آج یہ بھولے پھرتے ہیں کہ حاضر ہیں تو کیسے ہیں، ناظر ہیں تو کیسے ہیں؟

سرکار نے بطور خاص امت کو جو صیغہ دیا۔ حالانکہ پیچھے انداز غائبانہ آ رہا تھا۔ اُس کا تقاضا تھا علیہ ہوتا پھر بھی کوئی حرج نہیں تھا۔ لیکن مسئلہ یہ بھی تو سامنے تھا کہ جب امتی پڑھیں گے اور اُن سے پوچھا جائے گا کہ جن کو "علیک" کہتے ہو تو تم کہاں سے کہتے ہو۔ سرکار نے فرمایا ہم وہ انداز دیں گے اگر چہ مقام علیہ کا تھا۔ مگر ہم علیک بنا کے امت کی مشکل کو حل کر دیں گے۔

امام عینی کے نزدیک غائب سے حاضر کی طرف عدول کرنے کی وجہ

امام عینی رحمۃ اللہ علیہ نے سوال کیا آخر وجہ کیا ہے کہ غائب سے حاضر کی طرف انداز بدل گیا۔ انہوں نے بھی بڑا عمدہ جواب دیا۔

یہ ساری ہمارے ائمہ کی تحقیقات ہیں جو میں نے آپ نے سامنے بیان کی ہیں۔ ان کو جب تم سن رہے ہو تو یقیناً تمہارا دل گواہی دیتا ہے کہ اگر چہ ہم اس پائے کے محقق تو نہیں ہیں۔ مگر ہمارا ایمان ایسا ہی ہے جیسا یہ بیان کر رہے ہیں۔

حضرت امام عینی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں۔

اِنَّ الْمُصَلِّیْنَ لَمَّا اسْتَفْتَحُوْا بَابَ الْمَلَكُوْتِ بِالتَّحِيَّاتِ

نمازیوں نے اللہ تعالیٰ کی تعریف کر کے جب ملکوت کے دروازے کھلوا لئے۔

نے "التحیات للہ" کہا تو ملکوت کے دروازے کھل گئے۔

أُذِنَ لَهُمْ بِالدُّخُولِ

اللہ کی طرف سے ان کو اجازت دے دی گی کہ اب تم داخل ہو جاؤ، کہاں؟

فِيْ حَرِيْمِ الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ

اُس حی وقیوم کے دربار میں "کہ جس پہ کبھی موت نہیں آتی" داخل ہو جاؤ۔

فَقَرَّتْ أَعْيُنُهُمْ بِالْمُنَاجَاتِ

تو نمازیوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں کہ کتنے وارے نیارے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بلا کے اپنے دربار میں بٹھالیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے دربار کا دروازہ کھلا، نمازی اللہ تعالیٰ کے دربار میں داخل ہوا۔ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ سے مناجات اور سرگوشی کرنے لگا۔ جب سرگوشی کرر ہا تھا۔

فَنُبِّهُوْا عَلٰى أَنَّ ذَالِكَ بِوَاسِطَةِ النَّبِيِّ الرَّحْمَةِ

پھر نماز کو بتایا گیا کہ یہ جو کچھ تجھے ملا ہے اور جن کے صدقے سے ملا ہے انہیں بھی تو دیکھو۔

جب تک بکے نہ تھے کوئی پوچھتا نہ تھا
تم نے خرید کے ہمیں انمول کر دیا

کون ہمارے لئے دروازے کھولتا، اور کون اپنی طرف سے ابر کرم برساتا۔

نُبِّهُوْ

نمازیوں کو متوجہ کیا گیا کہ جس کے وسیلے سے تمہیں یہ ملا ہے۔ اُن کے بارے میں بھی تو سوچو۔ نبی رحمت کی متابعت کی وجہ سے تمہیں یہ مرتبہ ملا ہے۔

لٰہذا فوراً ایک جذبہ پیدا ہوا کہ اُن کو ہم بھول رہے ہیں جنہوں نے نماز دی تھی

اور جنہوں نے حاضری کا طریقہ دیا تھا۔ جن کے صدقے رب نے ہمیں اپنے دربار میں قبول کرلیا ہے۔

فَإِذَا التَفْتُوْا

جس وقت اچانک نمازی کی نظر اٹھی۔

فَإِذَا الْحَبِيْبُ فِيْ حَرَمِ الْحَبِيْبِ حَاضِرٌ

تو نظر آیا کہ اللہ کے دربار میں سرکار بیٹھے ہیں۔

اَلْحَبِيْبُ فِيْ حَرَمِ الْحَبِيْبِ حَاضِرٌ

پہلے حبیب سے مراد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے اور دوسرے حبیب سے اللہ تعالیٰ کی ذات مراد ہے۔ تو بخاری نے التفا کیا۔ کہ یہ ایک ایمان بالغیب کا معاملہ ہے۔ یہ اُس کو کیفیت رکھنی چاہیے۔

جب اس نے توجہ کی تو اس نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کا دربار ہے۔ وہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ جب سرکار نظر آئے۔

فَاَقْبَلُوْا اِلَيْهِ قَائِلِيْنَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ۴/ ۵۸۵)

نمازیوں نے سرکار کو جب رب کے دربار میں دیکھا تو اب دل نے کہا کہ سرکار کو غائبانہ نہیں سامنے بالمشافہ کہیں گے۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ

اے محبوب تجھ پر رب کی سلامتی ہو۔

اب یہ کوئی مشرکین کا عقیدہ تھا؟ بدعتیوں کا عقیدہ تھا؟

جن کی خدمات حدیث پر دنیا ناز کرتی ہے اور وہ اسلام کے وسیع ذخیرہ کے محافظ، اور اسلامی اقدار پر پہرہ دینے والے امت کے عظیم علماء کی لسٹ جو سینکڑوں نہیں ہزاروں تک پہنچنے والی ہے۔ انہوں نے دین ہمیں محفوظ کر کے دیا ہے۔ ہم اس پر قائم ہیں۔ ہم نے اپنی طرف سے نہیں گھڑا یہ شروع سے جو صراط مستقیم کا سلسلہ آرہا ہے اُسی پر ہم موجود ہیں۔

اب دیکھیئے امام عینی فرمانے لگے کہ یہ کتنا سنہری موقع ہے۔ بندے کو متوجہ کیا گیا کہ جن کے صدقے تجھے عزت ملی ہے۔ اُن کی طرف توجہ کرو۔ فوراً نگاہ اُٹھی تو اللہ کے دربار میں رسول اکرم ﷺ موجود تھے۔ یہ مقام تشہُد پہ پہنچا ہوا تھا۔ فوراً جس وقت دیکھتا ہے اور کہتا ہے۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ

اے اللہ کے محبوب تجھ پر سلام پیش کرتا ہوں۔

اعتراض:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ کہا تھا کہ رسول اکرم ﷺ کی زندگی میں ہم "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ" کہتے تھے۔

فَلَمَّا قُبِضَ عَلَيْهِ السَّلَامُ

تو جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا۔ تو پھر ہم نے "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ" کہنا چھوڑ دیا اور "علی النبی" شروع کر دیا۔

اس بات کو وہ لوگ اُٹھا کے آج پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ

دیکھو تم علیک کی اتنی بحث کر رہے ہو۔ وہاں تو "السلام علی النبی" بھی آیا ہے۔

ابن مسعود نے خود کہہ دیا کہ آپ کی ظاہری حیات میں السلام علی النبی کہنا شروع کر دیا ہے۔

جواب:

اسکے جواب کی تفصیل سے پہلے یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ یہ فرق عقل کے لحاظ سے کسی طرح درست نہیں ہے۔ کیونکہ ایسا تو نہیں تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات طیبہ کے اندر صرف مدینہ شریف کی مسجد نبوی میں ہی لوگ نماز پڑھتے تھے۔ اُس وقت بھی عالم میں جہاں تک اسلام پہنچا تھا نماز پڑھی جاتی تھی۔ مکہ شریف والے پڑھتے تھے، طائف والے پڑھتے تھے، یہ سارے مدینہ شریف سے دور نماز یں پڑھتے تھے اور غائب کی حالت میں پڑھتے تھے۔

جو اس وقت پڑھتے ہوئے سرکار کو موجود سمجھ کے کہتے ہیں۔ السلام علیک لھا النبی تو اُن کو سلام دینا بیان کر رہا تھا کہ جب یہ روضہ پاک میں ہوں گے پھر بھی علیک ہی کہا جائے گا۔

ملا علی قاری اور ابن حجر کی طرف سے اسکی وضاحت

اس مقام پر بڑی تفصیل سے امام ملاّ علی قاری نے مرقات میں بیان کیا ہے۔ اور ابن حجر نے فتح الباری کے اندر اسکی وضاحت کر دی ہے۔ کہ اصل صورتحال کیا ہے۔

جو حدیث میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پیش کی جس میں۔ " اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ " موجود ہے۔

اسکے بعد دوسری روایت کہ جس میں ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو ہم نے " السلام علی النبی " کہنا شروع کر دیا" اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ " علیک چھوڑ دیا۔

یہ اصل میں ابوعوانہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔

اور جو اس مضمون کی روایت بخاری شریف میں ہے۔ اُس میں السلام علی النبی نہیں ہے۔ بلکہ اس میں یہ ہے۔

فَلَمَّا قُبِضَ قُلْنَا السَّلَامُ یَعْنِی عَلَی النَّبِیِّ

وہاں جو راوی کا جملہ ہے وہ صرف اتنا ہے کہ قلنا السلام، ہم نے سلام کہا۔

اُس کے بعد یعنی علی النبی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نہیں ہے۔

یہ اُن سے کسی روایت کرنے والے نے یعنی تفسیر کا لفظ شامل کرتے ہوئے آگے اُسی کو بڑھایا ہے۔

ابن حجر اور ملا علی قاری نے اس کی وضاحت کی کہ جو روایت بخاری میں ہے۔

اُس میں " قُلْنَا السَّلَامُ " ہے جب سرکار کا وصال ہو گیا تو پھر بھی ہم نے سلام کہا۔ مطلب کیا ہے۔ " استمررنا " لوگوں نے سلام کہنا نہیں چھوڑا پھر بھی اُسی انداز میں کہتے رہے۔

یہ اُس کا مطلب ہے کہ پھر بھی ہم نے سلام کہا۔

یہ مطلب نہیں تھا کہ سرکار سامنے تھے تو السلام علیک ایھا النبی کہتے تھے اور سرکار چلے گئے تو ہم نے چھوڑ دیا۔

ابن مسعود کہتے ہیں ہم نے چھوڑا نہیں ہے۔ جو سلام پہلے تھا وہ پھر بھی جاری رہا۔ لہٰذا اُس میں یہ لفظ نہیں ہیں کہ ہم نے یہ "ک" ترک کر دیا۔ علیک کہنا چھوڑ دیا اور علی النبی ہم نے بولنا شروع کیا۔

جو روایت بخاری میں ہے اُس میں صرف اتنا ہے کہ جس وقت سرکار کا وصال ہو گیا۔ قلنا السلام، پھر بھی ہماری طرف سے اُسی انداز میں سلام جاری رہا۔

لہٰذا اس سے یہ سمجھ نہیں آتی کہ ہم نے علیک سے اعراض کرلیا، علیک کو چھوڑ دیا۔ بلکہ صرف السلام کا ذکر کیا کہ سلام جاری رہا۔

اس واسطے ابن حجر کہنے لگے کہ ابوعوانہ کی جو روایت ہے اُس میں احتمال آ گیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اُس کا یہ مطلب ہو کہ ہم نے ک کو چھوڑا اور ہوسکتا ہے اُس کا یہ مطلب ہو قلنا السلام پھر بھی ہم نے سلام نہیں چھوڑا۔ پھر بھی ہم سلام کہتے رہے۔

لہٰذا جہاں احتمال ہے اُسے چھوڑ کے وہ ماننی چاہیے جس میں کوئی احتمال نہیں ہے اور وہ بخاری شریف کی پہلی حدیث ہے جس میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہمیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مطلقاً تعلیم دی۔

ہم نماز میں اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ پڑھتے ہیں۔

لہٰذا یہ بھی کسی کیلئے گنجائش نہیں ہے کہ صحیح بخاری کو چھوڑ کے ابوعوانہ کے پیچھے چلے جائیں۔ جو راوی کا اپنا قول اُس میں درج کیا گیا اُس کو دلیل بنالیں، نہیں نہیں ..... پوری امت اس لذت پر موجود رہی ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو آج بھی جس وقت ہم ندا کرتے ہیں تو سرکار سنتے ہیں۔ اس لیے آپ کو علیک سے خطاب کیا جاتا ہے۔

اگرچہ علیہ کہنے کا بھی اسلام میں جواز موجود ہے لیکن یہ مقام چونکہ مقام خاص ہے اور سرکار کی طرف سے صیغہ مختص کر دیا گیا تو اسی طرح اِمتی کو نماز پڑھتے ہوئے اپنے نبی پر سلام بھیجنا چاہیے۔ تو جو یوں سلام بھیجے گا وہ اپنے ایمان کا اعلان کرے گا کہ میرے محبوب ناظر ہیں، میں اُن کے دربار میں حاضر ہوں۔

(وقت چھلانگیں مارتا ہوا آگے جا رہا ہے اور موضوع ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا میں آخر میں ایک حدیث بیان کر کے اجازت چاہتا ہوں)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انکو رخصت کرنے کے لیے کچھ دور تک ساتھ

چلے۔ سرکار علیہ السلام انکو وصیت کر رہے تھے۔

فَلَمَّا فَرَغَ

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

يَا مَعَاذُ اِنَّكَ عَسٰى اَنْ لَّا تَلْقَانِیْ بَعْدَ عَامِیْ هٰذَا

اے معاذ اب اس سال کے بعد تیری میرے ساتھ ملاقات نہیں ہو سکے گی۔

وَلَعَلَّكَ اَنْ تَمُرَّ بِمَسْجِدِیْ هٰذَا وَقَبْرِیْ

تو میری مسجد اور میرے مزار سے گزرے گا۔

فَبَكٰى مَعَاذُ جَشَعًا لِفِرَاقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدائی پر زار و قطار رونے لگے۔

اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے معاذ! پریشان نہ ہو:

اَنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِیَ الْمُتَّقُوْنَ مَنْ كَانُوْا وَحَيْثُ كَانُوْا

(مشکوۃ شریف: ۴۴۵)

لوگوں میں سے جس کے دل کو بھی تقویٰ نصیب ہے وہ مجھ سے دور نہیں! وہ جہاں بھی ہو میرے قریب ہے۔

رب کائنات کی بارگاہ میں دعا ہے کہ ہمیں اس سبق کو یاد کر کے دوسروں تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔

و آخر دعونا ان الحمد لله رب العالمين

☆☆☆☆☆